اکابر دیوبند کیا تھے؟

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

زمزم بکڈپو دیوبند

38/-

اکابر دیوبند کیا تھے؟

دینی کتابوں کا مرکز
ہندوستان بک ایمپوریم
۱۳۷ مسجد والی گلی عید گاہ آباد ۲۰ اے پی
فون نمبر ۴۵۲۳۰۱۱ - ۶۷-۱۳۶۰
۴۵۷-۱۴۸ (مکان)

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی

ناشر

زمزم بکڈپو دیوبند

۲۴۷۵۵۴

نام کتاب	اکابرِ دیوبند کیا تھے؟
مصنف	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی
باہتمام	اسعد واجدی
سنِ طباعت	مئی ۱۹۹۵ء
قیمت	

ربانی آفسیٹ پرنٹرس دیوبند۔

ناشر

زمزم بکڈپو دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

پیش لفظ

بزرگان سلف کے واقعات انسان کی اصلاح کے لئے انتہائی مفید اور موثر ہوتے ہیں کیونکہ ان سے اسلامی احکام کی عملی تطبیق سامنے آتی ہے اور بزرگوں کا وہ مزاج و مذاق واضح ہوتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ سے لے کر آخری دور تک عملی طور پر نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لمبی چوڑی نصیحت آمیز تقریریں ایک طرف اور کسی بزرگ کا کوئی ایک واقعہ دوسری طرف رکھا جائے تو بسا اوقات یہ ایک واقعہ ان طویل تقریروں سے کہیں زیادہ دل پر اثر انداز ہوتا ہے' اسی لئے ہر دور کے مصنفین نے بزرگوں کے متفرق واقعات جمع کر کے انہیں امت کے لئے محفوظ کیا ہے۔

آخری دور میں علماء دیوبند کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ امتیازی شان عطا فرمائی تھی کہ انہوں نے صرف اپنی تحریر و تقریر سے نہیں بلکہ اپنی سیرت و کردار سے بھی عہد صحابہؓ و تابعین کی یادیں تازہ کیں۔ الحمدللہ ان میں سے بیشتر حضرات کی سوانح حیات شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن ان حضرات کے بہت سے واقعات ایسے ہیں جو مطبوعہ سوانح میں بھی نہیں ملتے۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اکابر علماء دیوبند سے تقریباً نصف صدی تک فیض حاصل کرنے کا موقعہ عطا فرمایا تھا' آپ کی پوری زندگی بھی انہی بزرگوں کی سیرت و کردار کی تصویر تھی۔ چنانچہ آپؒ وقتاً فوقتاً اپنے اساتذہ اور مشائخ کے واقعات اپنی مجلسوں میں بلکہ گھریلو ماحول میں بھی بکثرت سناتے رہتے تھے۔ کئی مرتبہ خیال ہوا کہ ان واقعات کو جمع کر کے تحریری شکل میں محفوظ کر دیا جائے۔

اس خواہش پر پہلی بار جزوی طور سے عمل کرنے کی نوبت اس وقت آئی جب ماہنامہ "الرشید" ساہیوال نے دارالعلوم دیوبند پر ایک ضخیم نمبر نکالنے کا ارادہ کیا اور مجھ سے فرمائش کی کہ اس کے لئے کوئی مضمون لکھوں۔ مصروفیات کی وجہ سے میرے لئے کوئی تحقیقی مقالہ لکھنا اس وقت ممکن نہ تھا لہٰذا میں نے "اکابر دیوبند کیا تھے" کے عنوان سے ان واقعات کو جمع کیا اور یہ مضمون اسی عنوان سے الرشید کے دارالعلوم دیوبند نمبر میں شائع ہوا۔ پھر جب دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ اجلاس منعقد ہوا تو دارالعلوم دیوبند کی طرف سے جو تعارفی کتابچے شائع کئے گئے ان میں اس مضمون کو بھی ایک کتابچے کی صورت میں شائع کیا گیا۔

یہ واقعہ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی حیات کا ہے۔ اس وقت میں نے یہ مضمون بہت عجلت میں لکھا تھا اس لئے سرسری انداز میں چند واقعات جمع کر دیئے تھے۔ اس کے بعد بارہا حضرت والد صاحب قدس سرہ سے سنے ہوئے واقعات کو جمع کرنے کا داعیہ پیدا ہوا بلکہ خیال یہ رہا کہ صرف ان واقعات کو جمع کرنے پر اکتفا نہ کروں جو مجھے یاد ہیں، بلکہ حضرت والد صاحب قدس سرہ سے پوچھ پوچھ کر ان واقعات کو بھی جمع کروں جو میرے حافظے میں محفوظ نہیں لیکن حضرت والد صاحب قدس سرہ کو یاد ہیں لیکن بات آج سے کل پر ٹلتی رہی اور اس شدید نقصان کا احساس اس وقت ہوا جب حضرت والد صاحب قدس سرہ دنیا سے رخصت ہو گئے اور اس کی تلافی کا کوئی راستہ باقی نہ رہا۔

حضرت والد صاحبؒ کی وفات کے بعد میرے زیر ادارت نکلنے والے ماہنامے "البلاغ" نے ایک ضخیم اشاعت "مفتی اعظم نمبر" کے نام سے شائع کی۔ اس موقعے پر خیال آیا کہ اکابر علماء دیوبند کے بارے میں کم از کم انہی باتوں کو محفوظ کر دیا جائے جو حضرت والد صاحبؒ سے سنی ہوئی ہیں اور مجھے یاد ہیں۔ چنانچہ میں نے "مفتی اعظم نمبر" میں ایک مضمون "حضرتؒ کے شیوخ و اکابر" کے نام سے لکھا جس میں اس مقصد کو پورا کر دیا۔

یہ دونوں مضمون کیونکہ ایک ہی مقصد سے متعلق ہیں اس لئے اب ان کو یکجا طور پر کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ چونکہ یہ دونوں مضمون الگ الگ مواقع کے لئے لکھے گئے تھے اس لئے بعض واقعات ان میں مکرر بھی ہوں گے لیکن بحیثیت مجموعی دونوں کی اپنی اپنی حیثیت ہے اور انشاء اللہ قدرِ مکرر بھی لذت سے خالی نہ ہوگی۔ چونکہ دوسرا مضمون زیادہ

مفصل ہے اس لئے اس کتاب میں اسے مقدم رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مضامین کو نافع اور مفید بنائے اور ہمیں ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وما توفیقی الا باللہ
محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۲۶ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

دار العلوم کراچی نمبر ۱۴

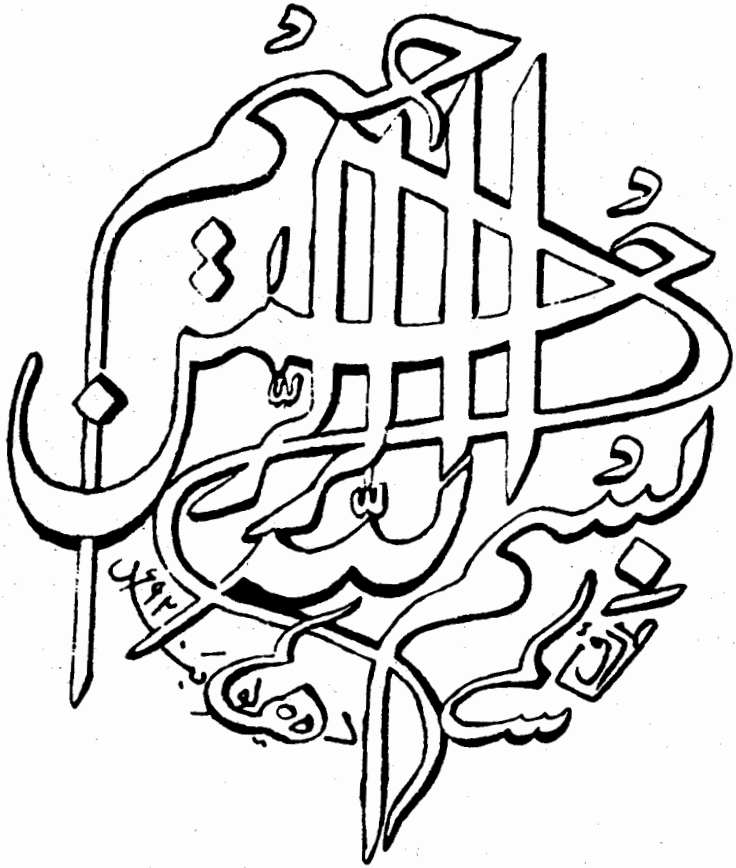

خُدا کے نام سے آغاز کر رہا ہُوں میں
جو مہرباں ہے بہُت اور رحم والا ہے

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ نمبر
حضرتؒ کے شیوخ و اکابر	۹
حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ	۱۰
وضو کا بچا ہوا پانی	۱۱
یوم الشک کا روزہ	۱۲
حضرت عمرؓ اور شیطان	"
وزن اعمال	۱۳
حدیث معراۃ کی توجیہ	۱۴
حدیث فہمی کا ایک اصول	"
اسباب زوال امت	۱۶
قراءت خلف الامام	۱۸
انگریز سے نفرت	"
شوق جہاد	۱۹
تحریک خلافت کے چند واقعات	"
للہیت کا بے مثال واقعہ	۲۰
تواضع کی انتہاء	۲۱
چھوٹوں کی رعایت	۲۲
مخالفین کے بارے میں احتیاط	۲۳
معاصرین کا ادب	"
بڑی مولوی صاحب	۲۴
مدرسہ سے تعلق	"
کالج کی ملازمت اور دینی خدمات	۲۶

مضمون	صفحہ نمبر
رڑکی گودام	۲۶
تدریس اور ثواب	۲۷
فریضہ تبلیغ اور عہد حاضر	〃
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ	۲۹
حضرت تھانویؒ کے چند جملے	۳۰
اجازت بیعت	۳۷
امام العصر حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ	۴۱
حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب قدس سرہ	۵۴
حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحبؒ	۶۳
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند	۶۸
شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ	۷۱
شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی	۷۵
شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ	۸۱
اکابر دیوبند کیا تھے؟	۸۷
علم و فضل اور اس کے ساتھ تواضع و للہیت	〃
سادگی اور مخلوق خدا کا خیال	۱۰۰
انابت و تقویٰ	۱۰۵
تبلیغ و دعوت کا انداز	۱۰۹
مخالفین سے سلوک	۱۱۳

حضرتؒ کے شیوخ و اکابر

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے جن علمی اور عملی خصوصیات سے نوازا تھا، اور جو کمالات عطا فرمائے تھے وہ درحقیقت ان بزرگوں کی خدمت و صحبت کا نتیجہ تھا جن کی آغوش شفقت آپ کو میسر ہوئی۔ حضرتؒ کی زندگی اپنے انہی اکابر کا ایک خوبصورت عکس تھی۔ اور آپ جس والہانہ انداز میں اپنے اساتذہ و مشائخ اور بزرگوں کا تذکرہ فرماتے تھے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ آپ کو ان سے اور ان کو آپ سے کس درجہ تعلق خاطر تھا۔ حضرت کی زندگی انتہائی مصروف زندگی تھی۔ لیکن جب کبھی آپ کی فراغت کے کچھ لمحات میسر آتے آپ اپنے اکابر میں سے کسی نہ کسی کا ذکر چھیڑ دیتے۔ اور جب اس قسم کا کوئی تذکرہ چھڑ جاتا تو وہ دیر تک جاری رہتا تھا جب تک آپ کے اکابر زندہ تھے اس وقت تک آپ کی بہترین تفریح یہ تھی کہ فارغ اوقات میں ان کی مجلس میں جا بیٹھتے اور ان کی خدمت و صحبت سے مستفید ہوتے۔ اور جب اکابر وفات پا چکے تو آپ کی تفریح یہ تھی کہ ان کے ایمان افروز واقعات حاضرین کو سناتے۔ اور ان تذکروں کے درمیان ایک عجیب قسم کی والہیت اور بے خودی آپ پر طاری ہو جاتی تھی۔ زیر نظر مضمون میں آپ کے انہی بزرگوں کا مختصر تذکرہ مقصود ہے۔

حضرتؒ نے جن اکابر علماء اور اولیاء سے کسب فیض کیا ان کی فہرست یوں تو بہت طویل ہے لیکن یہاں صرف ان حضرات کا تذکرہ پیش نظر ہے جن سے آپ کو خصوصی تعلق رہا ہے۔ اور ان حضرات کے تذکرے میں بھی ان کے سوانحی پہلو کے بجائے زیادہ ان کی وہ خصوصیات اور ان کے وہ حالات و مقالات قلم بند کرنے مقصود ہیں جو احقر نے حضرت رحمتہ اللہ علیہ سے سنے ہیں یا جن سے حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ ان کے خصوصی تعلق پر

روشنی پڑتی ہے۔ امید ہے کہ یہ واقعات ناظرین کے لئے دلچسپ بھی ہوں گے اور موجب بصیرت بھی۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ

1851-1920, 1268-1339

حضرت والد ماجدؒ کو جن بزرگوں سے خصوصی تعلق رہا۔ ان میں حضرت شیخ الہند کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔ دیوبند اور تھانہ بھون کے سفرنامے میں حضرت والد صاحب نے حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ اپنے تعلق کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

"احقر نے حضرت (شیخ الہندؒ) کا زمانہ پایا مگر ضابطے کا تلمذ اس لئے نہیں ہوسکا کہ میں اس وقت متوسط کتابیں پڑھتا تھا۔ مگر حضرت قدس سرہ کے ساتھ قلبی عظمت و محبت مجھے اکثر ان کے درس بخاری میں لے جایا کرتی تھی۔ قید مالٹا سے پہلے دو سال تک رمضان المبارک میں حضرت ممدوح کے ساتھ رات بھر کی تراویح میں شرکت کا شرف حق تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ مالٹا سے واپسی کے بعد حضرتؒ ہی سے بیعت سلوک کا شرف حاصل ہوا جب کہ احقر دارالعلوم میں ابتدائی مدرس کی حیثیت سے خدمت تعلیم میں مشغول تھا۔ مزار مبارک پر حاضری کے وقت حضرت قدس سرہ کی شفقتوں اور عنایتوں کا ایک وسیع میدان سامنے آگیا۔"

(نقوش و تاثرات ص ۳۰)

ضابطے کا تلمذ اگرچہ حاصل نہ ہوسکا۔ لیکن اول تو جب بھی موقع ملتا آپ حضرتؒ کے درس بخاری میں جا بیٹھتے' اور یہ جا بیٹھنا محض رسمی عقیدت کا اظہار ہی نہ تھا بلکہ آپ کو حضرت شیخ الہندؒ کے درس بخاری کی بہت سی باتیں اسی وقت سے یاد تھیں جو اکثر اپنے شاگردوں اور خدام کے سامنے بیان فرمایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ عصر کے بعد جب دوسرے طلباء اپنے اپنے درس سے فارغ ہوکر کھیل کود یا تفریح کا اہتمام کرتے تھے آپ حضرت شیخ الہندؒ کی مجلس کا رخ کرتے اور روزانہ مغرب تک اس بابرکت مجلس سے فیض یاب ہوتے تھے۔

نیز جنگ بلقان اور طرابلس کے موقع پر حضرت شیخ الہندؒ کے ایماء سے دار العلوم دیوبند کی طویل چھٹی کی گئی۔ اور اساتذہ و طلبہ اس جنگ کے لئے چندہ جمع کرنے میں مشغول ہوگئے۔ اس موقع پر حضرت شیخ الہندؒ کے زیر ہدایت حضرت والد صاحبؒ نے بھی گاؤں گاؤں پھر کر چندہ جمع کیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کے ان دروس اور مجلسوں میں حضرت والد صاحبؒ نے جو باتیں سنیں وہ موقع بموقع سناتے رہتے تھے۔ ان باتوں میں سے چند احقر کو اس وقت بھی یاد آگئیں۔

وضو کا بچا ہوا پانی ۱ : حدیث کی تقریباً تمام کتابوں میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وضو سے فارغ ہونے کے بعد وضو کا بچا ہوا پانی نوش فرمالیتے تھے۔ نیز یہ بھی روایت ہے کہ آپ وضو کے بعد اپنے تہبند کے رومال پر پانی کے چھینٹے دے لیتے تھے۔ علماء حدیث نے ان دونوں سنتوں کی حکمت بیان کرتے ہوئے مختلف توجیہات ذکر فرمائی ہیں۔ لیکن حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ ان روایات کی جو توجیہہ احقر نے حضرت شیخ الہندؒ سے سنی ہے وہ ذوقی اعتبار سے سب سے زیادہ لطیف ہے۔ اس توجیہہ کا خلاصہ یہ ہے کہ وضو اعضاء ظاہری کی طہارت و نظافت حاصل کرنے کا ایک عمل ہے اور جس طرح طہارت ظاہری مطلوب ہے اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ اہمیت کے ساتھ باطن کی صفائی اور طہارت بھی مطلوب ہے۔ چنانچہ وضوء سے فراغت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دو عمل مسنون قرار دیئے جن سے طہارت باطنی کی طرف اشارہ مقصود ہے اور ان دو اعمال سے طہارت باطنی کا تعلق یہ ہے کہ تمام باطنی رذائل اور معصیتوں کا سرچشمہ انسان کے دو اعضاء ہیں۔ ایک منہ یا زبان اور دوسرے شرمگاہ جیسا کہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :

> من یضمن لی مابین لحییہ ومابین رجلیہ اضمن لہ الجنۃ
> جو شخص میرے سامنے اپنی دو چیزوں کو (معصیت سے محفوظ رکھنے) کی ضمانت دے دے میں اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ ایک وہ چیز جو اس کے جبڑوں کے درمیان میں ہے (یعنی زبان) اور دوسرے وہ چیز جو اس کی ٹانگوں کے بیچ میں ہے (یعنی شرمگاہ)۔

چنانچہ وضو کے بعد بچا ہوا پانی پی کر اور زیر جامہ چھینٹے مار کر معصیت کے ان ہی سر چشموں کی طہارت کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے۔

یوم الشک کا روزہ ۲ : ۲۹ شعبان کو اگر چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ شعبان کا دن فقہاء کی اصطلاح میں "یوم الشک" کہلاتا ہے۔ فقہاء حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ "یوم الشک" میں روزہ رکھنا عوام کے لئے مکروہ ہے البتہ وہ خواص اہل علم جو محض نفل کی نیت سے روزہ رکھیں اور ان کے دل میں احتیاط رمضان کا شبہ نہ ہو ان کے لئے یوم الشک کا روزہ رکھنے کی بھی اجازت ہے۔ حضرت والد صاحبؒ نے واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ یوم الشک تھا اور اس میں حضرت شیخ الہندؒ باہر مجلس میں تشریف لائے تو آپ نے پان کھایا ہوا تھا۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ "حضرت! آج یوم الشک ہے اور اس میں خواص کو تو روزہ رکھنے میں کچھ حرج نہیں۔" حضرت شیخ الہندؒ جواب میں اول تو فرمایا کہ 'ہاں! یہ حکم خواص کے لئے ہے لیکن ہم خواص کے شمار میں کہاں ہیں؟ اور پھر تھوڑی دیر میں خود ہی ارشاد فرمایا کہ "حدیث کے الفاظ فقد عصی ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈر لگتا ہے" اشارہ اس طرف تھا کہ حدیث میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ

ومن صام یوم الشک فقد عصی ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم

جس شخص نے یوم الشک میں روزہ رکھا اس نے ابو القاسم (آنحضرت) صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔"

مقصد یہ تھا کہ اگرچہ علماء حنفیہ نے اس حدیث کو عوام کے حق میں قرار دیا ہے اور خواص کو اس سے مستثنیٰ رکھا ہے لیکن حدیث کے ظاہری الفاظ عام ہیں اور ان کی مخالفت سے ڈر لگتا ہے۔

حضرت عمرؓ اور شیطان ۳ : فرمایا کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت شیخ الہندؒ سے سوال کیا کہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جس گلی سے حضرت عمرؓ گزرتے ہیں شیطان وہاں سے نہیں گزرتا لیکن یہ بات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبرؓ کے بارے میں مروی نہیں ہے کہ شیطان ان کے راستے سے

نہیں گزرتا، تو سوال یہ ہے کہ شیطان حضرت عمرؓ ہی سے کیوں ڈرتا تھا؟ جب کہ یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبرؓ ان سے افضل تھے ان سے تو بطریق اولیٰ ڈرنا چاہیے تھا؟

حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی شخص آپ سے کوئی علمی سوال کرتا تو پہلی بار اسے ظریفانہ انداز سے الزامی قسم کا جواب دیتے تھے۔ اس کے بعد تحقیقی جواب دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس سوال کے جواب میں آپ نے پہلے تو یہ فرمایا کہ "یہ شیطان کی حماقت ہے اسی سے پوچھو کہ وہ حضرت عمرؓ سے اتنا کیوں ڈرتا تھا اور حضورؐ انور یا صدیق اکبرؓ سے اتنا کیوں نہیں ڈرتا تھا۔

پھر تحقیقی جواب دیا کہ : درحقیقت کسی شخص کا افضل ہونا اور چیز ہے اور دلوں پر اس کا رعب ہونا دوسری بات ہے۔ ضروری نہیں کہ جو شخص سب سے زیادہ افضل ہو اس کا رعب بھی دوسرے ہر فرد سے زیادہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ پر شان جلال غالب تھی اس لئے دلوں پر ان کا رعب بیٹھا ہوا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ پر شان جمال غالب تھی۔ اس لئے اگر کسی شخص کو حضرت عمرؓ سے زیادہ ڈر لگے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

وزن اعمال ۴ : امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کا آخری باب اس عنوان سے قائم فرمایا ہے کہ "باب ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ وان اعمال بنی آدم توزن" جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت میں میزان عدل قائم ہوگی اور انسانوں کے تمام اعمال کا وزن ہوگا۔ یہاں یہ مشہور کلامی بحث چھڑ گئی ہے کہ اعمال تو اعراض ہیں اور وزن صرف جواہر و اجسام کا ہو سکتا ہے۔ اعمال کا وزن کیسے ہوگا؟ اس کے جواب میں مختلف علماء نے مختلف توجیہات اختیار کی ہیں۔ کسی نے کہا کہ اعمال ناموں کا وزن ہوگا کسی نے کہا کہ اعمال کی کیفیت جانچنے کو مجازاً وزن سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ اور کسی نے کہا کہ اعمال بشکل جواہر آئیں گے اور انہیں تولا جائے گا۔

حضرت والد صاحبؒ بخاری شریف کے ختم کے موقع پر بیان فرمایا کرتے تھے کہ دیوبند میں ہر سال جب حضرت شیخ الہندؒ بخاری شریف کا ختم کراتے تو میں اس درس میں شامل

ہوا کرتا تھا۔ حضرت اس سوال کے جواب میں جو کچھ فرماتے وہ سب سے زیادہ اطمینان بخش توجیہہ تھی۔ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے کہ یہ سوال پرانے زمانے میں تو کسی درجہ میں قابل اعتناء تھا۔ لیکن ہمارے زمانے میں تو اس سوال کی گنجائش نہیں۔ آج کے دور میں صرف جواہر و اجسام ہی کا نہیں بلکہ اعراض کا بھی وزن کیا جاتا ہے اور ہر چیز کے لئے الگ پیمانے مقرر ہیں۔ مثلاً حرارت کی تھرمامیٹر کے ذریعہ پیائش کی جاتی ہے۔ ہوا میں رطوبت کا تناسب ناپا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر انسان اپنی محدود عقل کے ذریعہ ان اعراض کی پیائش کر سکتا ہے تو مالک الملک و الملکوت نے اگر اعمال کے وزن کے لئے کوئی مخصوص میزان عدل مقرر فرمادی ہو تو اس میں تعجب اور استبعاد کی کیا بات ہے؟

حدیث مصرّاۃ کی توجیہہ ۵ : فقہ اور حدیث کے معرکۃ الاراء مسائل میں سے ایک مشہور مسئلہ "شاۃ مصراۃ" کا ہے۔ جس کی تفصیلات سے اہل علم بخوبی واقف ہیں۔ اس لئے یہاں انہیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں حنفیہ کا مسلک بظاہر حدیث سے مطابقت نہیں رکھتا لیکن حدیث میں "شاۃ مصراۃ" کو واپس کرنے کے ساتھ ایک صاع کھجور واپس کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ قرآن و حدیث ہی کے بیان کردہ دوسرے اصول سے بظاہر مطابقت نہیں رکھتا۔ حضرت شیخ الہندؒ اس حدیث کی توجیہہ میں جو تقریر فرمایا کرتے تھے، حضرت والد صاحبؒ نے اس کا بھی بارہا ذکر فرمایا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت جہاں شارع اور قاضی کی تھی وہاں آپ کی حیثیت مربّی و شیخ اور مرشد و مشیر کی بھی تھی اس حیثیت میں آپ قانونی فیصلوں سے ہٹ کر مسلمانوں کے درمیان صلح بھی فرمادیا کرتے تھے۔ حدیث مصراۃ میں فلیردھا ولیرد معھا صاعا من تمر کا حکم قانونی طور پر نہیں بلکہ اسی حیثیت میں دیا گیا ہے۔

حدیث فہمی کا ایک اصول ۶ : حضرت والد صاحبؒ حضرت شیخ الہندؒ سے سنا ہوا ایک اور زرّیں اصول بھی بیان فرماتے تھے۔ جس سے احقر کو بہت سے مسائل میں بہت فائدہ پہنچا۔ اور وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مختلف اعمال منقول ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ بعض اعمال تو ایسے ہیں جن کے بارے میں روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ

نے ان کو معمول بنالیا تھا یا آپؐ سے وہ اعمال کثرت کے ساتھ ثابت ہیں یا آپ نے ان کو کرنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن بعض اعمال ایسے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انکا دوکا مواقع پر ثابت تو ہیں لیکن ان کو معمول بنالینا یا انکا التزام کرنا یا دوسروں کو ان کی ترغیب دینا ثابت نہیں ہے۔ ان قسموں میں سے ہر ایک کو اپنے مقام پر رکھنا چاہیے۔ پہلی قسم کے اعمال کی پابندی کا اہتمام درست اور موافق سنت ہے۔ لیکن دوسری قسم کے اعمال کو انکے مقام پر رکھنے کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو اسی طرح کبھی کبھار کرلیا جائے جیسا آپ نے کیا۔ لیکن ان کا مستقل معمول بنالینا مطلوب نہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اس کی مثال یہ بیان فرمائی کہ رکوع سے اٹھتے وقت ربنالک الحمد کہنا آپ سے مروی اور مسنون ہے لیکن حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ امامت فرمارہے تھے جب آپؐ نے رکوع سے اٹھتے وقت سمع اللہ لمن حمدہ فرمایا تو کسی صحابی نے قدرے بلند آواز میں کہا ربنالک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ مبارکا علیہ کما یحب ربنا ویرضیٰ نماز ختم ہونے کے بعد آپؐ نے پوچھا کہ یہ کلمہ کس نے کہا تھا؟ اور جب وہ صحابیؓ حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ (تمہارا یہ کلمہ فرشتوں کو اس قدر پسند آیا کہ) اس کو آسمان پر لے جانے کے لئے ستر سے زیادہ فرشتے لپکے تھے۔"

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلمہ کی اتنی فضیلت بیان فرمائی لیکن روایات میں یہ کہیں مروی نہیں ہے کہ اس کے بعد آپ نے یا دوسرے صحابہ کرامؓ نے ربنالک الحمد کے ساتھ ان کلمات کے اضافہ کو معمول بنالیا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا مقصد اس کلمہ کی نفس فضیلت بیان فرمانا تھا۔ یہ مقصد نہ تھا کہ نماز میں اس کلمہ کا التزام کیا جائے۔ البتہ چونکہ آپؐ نے ان صحابیؓ کے اس عمل پر نکیر بھی نہیں فرمائی اس لئے اگر کوئی شخص کبھی کبھار یہ کلمہ کہہ لے تو جائز ہے۔ لیکن اس واقعہ کی بنیاد پر اس کلمہ کو نماز کا مستقل جزء بنالینا درست نہیں۔

حضرت والد صاحبؒ حضرت شیخ الہندؒ کے بیان فرمودہ اس اصول کو اور بھی متعدد مقامات پر منطبق فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً شب برات کے موقع پر حضرت عائشہؓ کی مشہور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بقیع تشریف لے جاکر مردوں کے حق میں دعا کرنا ثابت ہے۔ اس حدیث کی بنیاد پر عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ شب برات میں قبرستان

جانا مسنون ہے۔ لیکن اس بارے میں حضرت والد صاحبؒ کا مذاق یہ تھا کہ شب برات میں قبرستان جانے کا التزام سنت نہیں (اگرچہ جائز ہے) البتہ کبھی کبھار چلے جانا سنت ہے۔ وجہ یہی ہے کہ پورے ذخیرہ حدیث میں صرف ایک موقع پر آپؐ کا قبرستان جانا ثابت ہے۔ یہ ثابت نہیں کہ آپؐ نے اس کو مستقل معمول بنالیا ہو۔ اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے بھی اس کا التزام منقول نہیں اور ہر عمل کو اس کے مقام پر رکھنا چاہیے۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں پر گزرتے ہوئے فرمایا کہ ان کو عذاب ہو رہا ہے۔ اور پھر ایک ایک شاخ دونوں قبروں پر گاڑ کر فرمایا کہ "شاید اللہ تعالیٰ ان شاخوں کے خشک ہونے تک ان کے عذاب میں تخفیف فرمادے"۔

اس حدیث کے تحت یہ مسئلہ علماء کے درمیان زیر بحث رہا ہے کہ آیا ان شاخوں کے گاڑنے سے عذاب میں تخفیف کی امید آپ کے ساتھ مخصوص تھی یا دوسرے بھی ایسا کرسکتے ہیں؟۔

اس بارے میں ایک مرتبہ احقر نے حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے سوال کیا تو آپ نے یہی جواب دیا کہ یہ پورے ذخیرہ حدیث میں ایک ہی واقعہ ہے اس کے بعد یا اس سے پہلے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عمل منقول ہے نہ صحابہ کرامؓ سے مروی ہے کہ وہ اس کا اہتمام کرتے ہوں۔ اگر یہ کوئی دائمی حکم ہوتا تو صحابہ کرامؓ ہر مسلمان کی قبر پر شاخ گاڑنے کا التزام فرماتے لیکن اس قسم کے اکّا دکّا واقعات کے سوا اس قسم کا کوئی عام معمول صحابہ کرامؓ سے بھی ثابت نہیں۔ اور جو ایک واقعہ آپ سے ثابت ہے اس میں بھی خصوصیت کا احتمال ہے۔ لہٰذا اس عمل کو معمول بنالینا اور اسے تخفیف عذاب میں دائماً موثر سمجھنا درست نہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص اس کو معمول بنائے بغیر اسی درجہ میں اس پر عمل کرے جس درجہ میں وہ ثابت ہے یعنی کسی ایک آدھ موقع پر اس نیت سے شاخ گاڑ دے کہ آپ کی اقتداء کی برکت سے شاید اللہ تعالیٰ مردہ کے عذاب میں تخفیف کردے تو وہ بھی قابل ملامت نہیں۔

اسباب زوال امت ۷ : حضرت شیخ الہندؒ کا ایک ملفوظ حضرت والد صاحبؒ بار بار نقل فرمایا کرتے تھے اور اسے آپ نے اپنی متعدد تحریروں میں بھی نقل کیا ہے وہ یہ

حضرت والد صاحب ہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔

"شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ مالٹا کی چار سالہ جیل سے رہائی کے بعد دار العلوم دیوبند میں تشریف لائے تو علماء کے ایک مجمع کے سامنے آپنے ایک اہم بات ارشاد فرمائی۔

جو لوگ حضرتؒ سے واقف ہیں وہ اس سے بھی بے خبر نہیں ہیں کہ ان کی یہ قید و بند عام سیاسی لیڈروں کی قید نہ تھی۔ جنگ آزادی میں اس درویش کی ساری تحریکات صرف رضائے حق سبحانہ و تعالیٰ کے لئے امت کی صلاح و فلاح کے گرد گھومتی تھیں۔ مسافرت اور انتہائی بے کسی کے عالم میں گرفتاری کے وقت جو جملہ انکی زبان مبارک پر آیا تھا ان کے عزم اور مقصد کا پتہ دیتا ہے "الحمدللہ۔ بھیجتے گرفتار نہ۔ بھیجتے" جیل کی تنہائیوں میں ایک روز بہت مغموم دیکھ کر بعض رفقاء نے کچھ تسلی کے الفاظ کہنا چاہے تو فرمایا "اس تکلیف کا کیا غم ہے جو ایک دن ختم ہوجانے والی ہے۔ غم اسکا ہے کہ یہ تکلیف و محنت اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول ہے یا نہیں؟"

مالٹا کی قید سے واپس آنے کے بعد ایک رات بعد عشاء دار العلوم میں تشریف فرما تھے۔ علماء کا بڑا مجمع سامنے تھا اس وقت فرمایا کہ "ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں" یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہوگیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے اسّی سال علماء کو درس دینے کے بعد آخر عمر میں جو سبق سیکھے ہیں وہ کیا ہیں؟ فرمایا کہ۔

"میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں" تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا۔ دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی، اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معنیً عام کیا جائے۔ بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب بستی بستی قائم کئے جائیں۔ بڑوں کو عوامی درس کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے۔ اور قرآنی تعلیم پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے۔ اور

مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔"

حضرت والد صاحبؒ آگے تحریر فرماتے ہیں۔

"قبائض امت نے ملت مرحومہ کے مرض کی جو تشخیص اور تجویز فرمائی تھی' باقی ایام زندگی میں ضعف و علالت اور ہجوم مشاغل کے باوجود اس کے لئے سعی پیہم فرمائی بذات خود درس قرآن شروع کرایا جس میں تمام علماء شہر اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جیسے علماء بھی شریک ہوتے تھے اور عوام بھی۔ اس ناکارہ کو اس درس میں شرکت کا شرف حاصل رہا ہے مگر اس واقعہ کے بعد حضرتؒ کی عمر ہی گنتی کے چند ایام تھے۔

آں قدح بشکست و آں ساقی نہ ماند

(وحدت امت ص ۵۰و۵۱ مطبوعہ مکتبۃ المنبر لائلپور)

قراءت خلف الامام ۸ : فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ الہندؒ نے صحیح بخاریؒ کے درس میں قراءت فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ پر نہایت شرح و بسط سے تقریر فرمائی۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے دلائل اس قوت اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمائے کہ تمام سامعین نہال ہو گئے۔ درس کے بعد ایک طالب علم نے حضرت سے کہا کہ "حضرت! آج تو آپ نے اس مسئلہ پر ایسی مدلل تقریر فرمائی ہے کہ اگر امام شافعیؒ تشریف فرما ہوتے تو شاید اپنے مسلک سے رجوع فرما لیتے۔"

حضرتؒ کو یہ جملہ سن کر غصہ آگیا آپ نے فرمایا کہ "امام شافعیؒ کو تم کیا سمجھتے ہو؟ اگر امام صاحبؒ زندہ ہوتے تو شاید میرے لئے ان کی تقلید کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔"

انگریز سے نفرت ۹ : حضرت والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ الہندؒ کو انگریزوں کے مظالم اور سیاہ کاریوں کی بنا پر جس قدر نفرت ان سے تھی شاید کسی اور سے نہ ہو۔ ایک مرتبہ کسی صاحب نے حضرت سے کہا کہ "حضرت آپ ہمیشہ انگریزوں کی برائیاں ہی کیوں بیان فرماتے ہیں آخر ان میں کوئی اچھی بات بھی تو ہوگی"

"حضرتؒ نے برجستہ ظریفانہ جواب دیا۔ ہاں ان کے کباب بڑے لذیذ ہوں گے۔"

شوق جہاد ۱۰ : حضرت شیخ الہند قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے جو جذبہ جہاد عطا فرمایا تھا۔ اس کے بارے میں حضرت والد صاحبؒ نے بارہا یہ واقعہ آبدیدہ ہو کر بھرائی ہوئی آواز میں سنایا کہ ایک مرتبہ مرض وفات میں حضرت کے خدام میں سے کسی نے آپ کو مغموم دیکھا تو وہ یہ سمجھے کہ زندگی سے مایوسی کی بنا پر پریشان ہیں چنانچہ انہوں نے کچھ تسلی کے الفاظ کہنے شروع کئے' اس پر حضرتؒ نے فرمایا۔

"ارے مرنے کا کیا غم ہے؟ غم تو اس بات کا ہے کہ بستر پر مر رہا ہوں ورنہ تمنا تو یہ تھی کہ کسی میدان جہاد میں مارا جاتا' سر کٹیں ہوتا اور ہاتھ پاؤں کہیں ہوتے۔"

تحریک خلافت کے چند واقعات ۱۱ : حضرت والد صاحبؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ تحریک خلافت میں عوامی جوش و خروش کے جو مناظر ہم نے دیکھے ہیں وہ بعد میں کسی بھی تحریک میں نظر نہیں آئے حضرت شیخ الہندؒ اس تحریک کے روح رواں تھے۔ آپ کی للّٰہیت' اخلاص اور جہد و عمل کی برکت سے یہ تحریک ہندوستان کے کوچہ کوچہ میں پھیل گئی تھی۔ اور اس تحریک کے علمبردار اگرچہ مسلمان ہی تھے لیکن انگریز کے مظالم سے تنگ آئے ہوئے ہندو بھی اس میں مسلمانوں کے پیچھے پیچھے لگ گئے تھے۔ اور چونکہ تحریک میں غالب عنصر چونکہ مسلمانوں ہی کا تھا اس لئے حضرت شیخ الہندؒ نے ہندوؤں کے ساتھ اس اشتراک عمل کو گوارا فرمالیا۔ لیکن حضرتؒ کو ہر آن یہ فکر دامنگیر رہتی تھی کہ ہندوؤں کے ساتھ یہ اشتراک عمل کہیں مسلمانوں کے اپنے طرز زندگی اور اسلامی شعائر پر اثر انداز نہ ہو۔ اسی دوران کسی جگہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے مشترک اجتماع میں یہ تجویز منظور کی گئی کہ مسلمان ہندوؤں کے ساتھ خیر سگالی کے اظہار کے طور پر اس عیدالاضحیٰ کے موقع پر گائے کی قربانی نہیں کریں گے۔ حضرت شیخ الہندؒ کو یہ خبر پہنچی تو آپ بے چین ہو گئے۔ اور اس تجویز کی زبانی مخالفت ہی نہیں فرمائی بلکہ عمل سے اس کی کھلم کھلا تردید کی اور وہ اس طرح کہ حضرتؒ عام حالات میں بکروں کی قربانی کیا کرتے تھے لیکن اس سال آپ نے گائے منگوانے کا اہتمام

کیا۔ اور بر سرعام گائے کی قربانی کی۔

تحریک خلافت کے معاملے میں حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے مایہ ناز شاگرد حضرت تھانویؒ کے درمیان رائے کا جو اختلاف تھا وہ معروف و مشہور ہے۔ حضرت تھانویؒ اس قسم کی تحریکات کو چونکہ مسلمانوں کے لیے مفید نہ سمجھتے تھے اس لئے اس سے علیحدہ رہے لیکن استاذ و شاگرد دونوں کو اپنے اپنے موقف پر پوری طرح ثابت قدم ہونے کے باوجود اس بات کا پورا یقین تھا کہ یہ رائے کا دیانت دارانہ اختلاف ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ تحریک کے بعض کارکنوں نے تھانہ بھون میں جلسہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اور حضرت شیخ الہندؒ سے اس کی صدارت کی درخواست کی۔ حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے یہ تجویز ذکر کی گئی تو حضرت نے سختی سے انکار کیا۔ اور فرمایا کہ "یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ اگر میں تھانہ بھون میں جلسہ کروں گا تو مولوی اشرف علی کے لئے بڑی تکلیف کا سامان ہوگا۔ ان کو یہ بھی گوارا نہ ہوگا کہ میں تھانہ بھون میں کوئی خطاب کروں اور وہ اس میں موجود نہ ہوں۔ اور اگر شرکت کریں گے تو یہ ان کے دیانتدارانہ موقف کے خلاف ہوگا۔ اس لئے یہ کام نہیں کروں گا۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرتؒ تحریک کے سلسلہ میں ہندوستان کے مختلف خطوں میں تشریف لے گئے۔ لیکن تھانہ بھون میں جلسہ نہیں کیا۔

للّٰہیت کا بے مثال واقعہ ۲ : حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ جب کانپور میں مدرس تھے انہوں نے مدرسہ کے جلسہ کے موقع پر اپنے استاد حضرت شیخ الہندؒ کو بھی مدعو کیا۔ کانپور میں بعض اہل علم معقولات کی مہارت میں معروف تھے اور کچھ بدعات کی طرف بھی مائل تھے۔ ادھر علماء دیوبند کی توجہ چونکہ خالص دینی علوم کی طرف رہتی تھی اس لئے یہ حضرات یوں سمجھتے تھے کہ علماء دیوبند کو معقولات میں کوئی درک نہیں۔ حضرت تھانویؒ اس وقت جوان تھے اور ان کے دل میں حضرت شیخ الہندؒ کو مدعو کرنے کا ایک داعیہ یہ بھی تھا کہ یہاں حضرت کی تقریر ہوگی تو کانپور کے علماء کو پتہ چلے گا کہ علماء دیوبند کا علمی مقام کیا ہے؟ اور وہ منقولات و معقولات دونوں میں کیسی کامل دست گاہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ جلسہ منعقد ہوا اور حضرت شیخ الہندؒ کی تقریر شروع ہوئی۔

حسن اتفاق سے تقریر کے دوران کوئی معقولی مسئلہ زیر بحث آگیا۔ اس وقت تک وہ علماء جن کو حضرت تھانویؒ حضرت شیخ الہندؒ کی تقریر سنانا چاہتے تھے جلسہ میں نہیں آئے تھے جب حضرت کی تقریر شباب پر پہنچی اور معقولی مسئلہ کا انتہائی فاضلانہ بیان ہونے لگا تو وہ علماء تشریف لائے جن کا حضرت تھانویؒ کو انتظار تھا۔ حضرت تھانویؒ اس موقع پر بہت مسرور ہوئے کہ اب ان حضرات کو حضرت شیخ الہندؒ کے علمی مقام کا اندازہ ہوگا۔ لیکن ہوا یہ کہ جونہی حضرت شیخ الہندؒ نے ان علماء کو دیکھا تقریر کو مختصر کرکے فوراً ختم کردیا اور بیٹھ گئے حضرت مولانا فخرالحسن گنگوہیؒ موجود تھے انہوں نے یہ دیکھا تو تعجب سے پوچھا کہ

"حضرت! اب تو تقریر کا اصل وقت آیا تھا آپ بیٹھ کیوں گئے؟" شیخ الہندؒ نے جواب دیا۔ "ہاں! دراصل یہی خیال مجھے بھی آگیا تھا۔"

مطلب یہی تھا کہ اب تک تو تقریر نیک نیتی سے خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو رہی تھی لیکن یہ خیال آنے کے بعد اپنا علم جتانے کے لئے ہوتی۔ اس لئے اسے روک دیا۔

تواضع کی انتہاء ۱۳ : مدرسہ معینیہ اجمیر کے معروف عالم حضرت مولانا معین الدین صاحب معقولات کے مسلّم عالم تھے۔ انہوں نے شیخ الہندؒ کی شہرت سن رکھی تھی۔ ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا تو ایک مرتبہ دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہندؒ کے مکان پر پہنچ گئے۔ گرمی کا موسم تھا وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو صرف بنیان اور تہبند پہنے ہوئے تھے مولانا معین الدین صاحبؒ نے ان سے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ "مجھے حضرت مولانا محمود الحسن صاحب سے ملنا ہے۔" وہ صاحب بڑے تپاک سے مولانا اجمیری کو اندر لے گئے۔ آرام سے بٹھایا اور کہا کہ "ابھی ملاقات ہوجاتی ہے"۔

مولانا اجمیریؒ منتظر رہے اتنے میں وہ شربت لے آئے اور مولانا کو پلایا۔ اس کے بعد مولانا اجمیریؒ نے کہا کہ "حضرت مولانا محمود الحسن کو اطلاع دیجئے" ان صاحب نے فرمایا "آپ بے فکر رہیں اور آرام سے تشریف رکھیں" تھوڑی دیر بعد وہ صاحب کھانا لے آئے اور کھانے پر اصرار کیا۔ مولانا اجمیریؒ نے کہا کہ "میں مولانا محمود الحسن صاحب سے ملنے آیا ہوں آپ انہیں اطلاع کردیجئے" ان صاحب نے فرمایا "انہیں اطلاع ہوگئی ہے آپ کھانا

تناول فرمائیں ابھی ملاقات ہوجاتی ہے۔" مولانا اجمیری نے کھانا کھالیا تو ان صاحب نے انہیں پنکھا جھلنا شروع کردیا۔ جب دیر گزر گئی تو مولانا اجمیری برہم ہوگئے اور فرمایا۔ "آپ میرا وقت ضائع کررہے ہیں میں مولانا سے ملنے آیا تھا اور اتنی دیر ہوچکی ہے ابھی تک آپ نے ان سے ملاقات نہیں کرائی" اس پر وہ صاحب بولے کہ

"دراصل بات یہ ہے کہ یہاں مولانا تو کوئی نہیں البتہ محمود خاکسار ہی کا نام ہے۔"

مولانا معین الدین صاحبؒ یہ سن کر ہکا بکا رہ گئے۔ اور پتہ چل گیا کہ حضرت شیخ الہندؒ کیا چیز ہیں۔

چھوٹوں کی رعایت ۱۴ : حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم مہتمم دارالعلوم دیوبند کے خسر محترم جناب مولانا محمود صاحب رامپوری۔ رام پور کے ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو اپنے دینی شغف اور دنیوی وجاہت و ریاست دونوں کے اعتبار سے ممتاز تھا اور تمام اکابر دیوبند سے ان کے تعلقات تھے۔ جب یہ تعلیم حاصل کرنے دیوبند آئے تو انکا قیام دیوبند کی ایک چھوٹی سی مسجد کے حجرے میں ہوا جو "چھوٹی مسجد" کے نام سے معروف تھی۔ حضرت شیخ الہندؒ دارالعلوم سے آتے جاتے ادھر ہی سے گزرا کرتے تھے۔ ایک روز وہاں سے گزرتے ہوئے دیکھا کہ وہاں مولانا محمود صاحب رام پوری کھڑے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کو ان کے دیوبند آنے کا حال معلوم نہ تھا۔ اس لئے ان سے پوچھا کیسے آئے؟"

انہوں نے تفصیل بیان کی اور بتایا کہ اسی مسجد کے حجرے میں مقیم ہوں۔ حضرت حجرے کے اندر تشریف لے گئے۔ اور ان کے رہنے کی جگہ دیکھی۔ وہاں ان کے سونے کے لئے ایک بستر فرش ہی پر بچھا ہوا تھا۔ اس وقت تو حضرت یہ دیکھ کر تشریف لے آئے لیکن یہ خیال رہا کہ مولانا محمود صاحب رام پور کے رئیس زادے ہیں انہیں زمین پر سونے کی عادت نہیں ہوگی اور یہاں تکلیف اٹھاتے ہوں گے۔ چنانچہ گھر جاکر ایک چارپائی خود اٹھائی اور اسے لے کر چھوٹی مسجد کی طرف چلے۔ وہاں سے فاصلہ کافی تھا لیکن حضرتؒ اسی حالت میں گلیوں اور بازاروں سے گزرتے ہوئے چھوٹی مسجد پہنچ گئے۔ اس وقت مولانا محمود صاحب مسجد سے نکل رہے تھے یہاں پہنچ کر شیخ الہندؒ کو خیال آیا کہ مجھے چارپائی اٹھائے ہوئے دیکھیں

گے تو انہیں ندامت ہوگی کہ میری خاطر شیخ الہندؒ نے اتنی تکلیف اٹھائی۔ چنانچہ انہیں دیکھتے ہی چارپائی نیچے رکھ دی اور فرمایا

"لو میاں یہ اپنی چارپائی خود اندر لے جاؤ میں بھی شیخ زادہ ہوں کسی کا نوکر نہیں۔"

مخالفین کے بارے میں احتیاط ۱۵ : احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے سنا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کے متعلقین میں سے کسی صاحب نے اہل بدعت کی تردید میں ایک رسالہ لکھا اہل بدعت نے اس کا جو رد لکھا۔ اس میں انہیں کافر قرار دیا۔ اس عمل کے جواب میں ان صاحب نے دو شعر کہے۔

مرا کافر اگر گفتی غمے نیست
چراغ کذب رانبود فروغے
مسلمانت بخوانم درجوابش
دروغے راجزا باشد دروغے

انہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کو یہ شعر سنائے تو آپ نے شعری لطافت کی تو تعریف فرمائی لیکن ساتھ ہی ارشاد ہوا کہ تم نے ان کو لطافت کے ساتھ ہی سہی کافر تو کہہ دیا حالانکہ فتویٰ کی رو سے وہ کافر نہیں ہیں اس لئے ان اشعار میں اس طرح ترمیم کرلو۔

مرا کافر اگر گفتی غمے نیست
چراغ کذب رانبود فروغے
مسلمانت بخوانم درجوابش
وہم شکر بجائے تلخ دوغے
اگر تو مومنی فبہا و الّا
دروغے راجزا باشد دروغے

معاصرین کا ادب ۱۶ : حضرت والد صاحبؒ نے ہی یہ واقعہ بھی سنایا کہ دیوبند میں کسی صاحب کے یہاں شادی کی کوئی بڑی تقریب ہوئی جس میں دار العلوم کے اساتذہ کو بھی

مدعو کیا گیا۔ حضرت شیخ الہندؒ بھی تشریف لے گئے اور دار العلوم کے مہتمم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ وغیرہ بھی۔ حضرت شیخ الہندؒ حسب معمول عام آدمیوں کی صف میں ملے جلے بیٹھے تھے۔ اتفاق سے اس تقریب میں کچھ منکرات سامنے آئے۔ دار العلوم کے بعض اساتذہ نے آکر حضرت شیخ الہندؒ سے عرض کیا کہ "حضرت آپ صاحب خانہ کو سمجھائیں کہ وہ ان منکرات سے پرہیز کریں۔"

حضرت شیخ الہندؒ نے بے ساختہ بڑے تعجب سے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ "بھلا اکابر کے ہوتے ہوئے آپ لوگ میرے پاس آئے ہیں' ان کی موجودگی میں میرا کچھ کہنا بے ادبی ہے۔"

حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت محمد حافظ احمد صاحبؒ حضرت شیخ الہندؒ کے تقریباً معاصر تھے۔ لیکن حضرت شیخ الہندؒ کو اللہ تعالیٰ نے حقیقی تواضع کا جو مقام بلند عطا فرمایا تھا اس کی بنا پر وہ اپنے مقام سے واقف ہی نہ تھے اور اپنے معاصرین کو بھی اپنے سے بڑا سمجھتے تھے۔

بڑے مولوی صاحب ۱۷ : حضرت والد صاحب نے بارہا فرمایا کہ ہم نے جس ماحول میں آنکھ کھولی اس میں حضرت شیخ الہندؒ کی علمی و عملی عظمت کا سکہ دلوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس دور میں لمبے چوڑے تعظیمی القاب کا رواج نہیں تھا۔ "شیخ الہندؒ" کا لقب بھی بعد میں مشہور ہوا۔ اس وقت تو حضرت کو عام طور پر لوگ "بڑے مولوی صاحب" کہتے تھے۔ اور حضرتؒ کی سادگی اور تواضع کا عالم یہ تھا کہ وہ اپنے انداز و ادا سے گویا یہ چاہتے تھے کہ انہیں اس نام سے بھی پکارا نہ جائے۔

حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے والد ماجد (حضرت مولانا محمد یاسین صاحبؒ) حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے۔ لیکن حضرت کو جب بھی کوئی ادنیٰ ضرورت ہوتی تو خود ہمارے گھر پر تشریف لے آتے دروازہ پر دستک دیتے۔ اندر سے سوال ہوتا کہ کون ہے؟ تو جواب میں فرماتے کہ "بندہ محمود آیا ہے۔"

مدرسہ سے تعلق ۱۸ : حضرت شیخ الہندؒ نے دار العلوم دیوبند کی چٹائیوں پر بیٹھ کر

ریشمی رومال کی جو عالمی تحریک چلائی وہ معروف و مشہور ہے۔ لیکن اس تحریک کے بارے میں دارالعلوم دیوبند کے اکابر کے درمیان نقطہ نظر کا تھوڑا سا اختلاف تھا حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحبؒ جو دارالعلوم کے انتظام کے ذمہ دار تھے۔ ان کا ذاتی نقطہ نظر یہ تھا کہ دارالعلوم ایک ایسی خاموش دینی خدمت انجام دے رہا ہے جس کی اس وقت امت مسلمہ کو بے حد ضرورت ہے۔ لہٰذا دارالعلوم کے احاطہ میں کوئی ایسا اقدام شاید مناسب نہ ہو جس سے امت مسلمہ کے اس عظیم دینی مرکز کو کوئی نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو۔

دوسری طرف حضرت شیخ الہندؒ پر جذبہ جہاد اور آزادی ہند کی فکر ہر وقت غالب تھی۔ چنانچہ ان اکابر کے درمیان تنہائی میں اس مسئلہ پر بحث و مباحثہ بھی ہوتا تھا۔ حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان حضرات نے ایک کمرے میں خفیہ مشورہ طے کیا۔ اور اس وقت کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی۔ لیکن میں چونکہ اس وقت کمسن تھا۔ اس لئے نہ جانے کس طرح اندر پہنچ گیا۔ اور میری کمسنی کی وجہ سے کسی نے میرے آنے کو محسوس بھی نہ کیا۔ وہاں میں نے دیکھا ان بزرگوں کے درمیان بڑے زور و شور سے کسی بات پر بحث ہو رہی تھی۔ بچپن کی وجہ سے مجھے یہ تو پوری طرح یاد نہیں رہا کہ باتیں کیا تھیں؟ لیکن اتنا تاثر اسی وقت سے ذہن پر ہے کہ بحث کا موضوع یہ تھا کہ مدرسہ کو کس حد تک آزادی کی کسی تحریک میں شامل کیا جائے۔ کافی دیر بعد بزرگ باہر نکلے۔

نقطہ نظر کے اس فرق کے باوجود مہتمم صاحبان حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ پورا تعاون کرتے تھے اور حضرت شیخ الہندؒ قدم قدم پر ان کا خیال رکھتے تھے۔ لیکن جب حضرت سفر حج پر تشریف لے گئے اور پھر بالآخر مالٹا میں اسیر ہوئے تو بعض بدخواہوں نے اس قسم کی افواہیں اڑادیں کہ حضرت نے مدرسہ سے قطع تعلق کرلیا ہے۔ اور مہتمم صاحبان اور حضرتؒ کے درمیان اختلافات سنگین ہو گئے ہیں۔

مالٹا سے رہائی کے بعد جب حضرت شیخ الہندؒ کو علم ہوا کہ اس قسم کی افواہیں اڑائی گئی ہیں تو حضرتؒ کو نہایت اذیت ہوئی۔ جب آپ دیوبند تشریف لائے تو صرف دارالعلوم دیوبند کے لوگ ہی نہیں، آدھا شہر حضرت کے استقبال کے لئے اسٹیشن پہنچا۔ چونکہ معمول کے مطابق یہی خیال تھا کہ حضرت سیدھے اپنے گھر تشریف لے جائیں گے۔ اس لئے تمام

انتظامات اسی کے مطابق کئے گئے تھے۔ لیکن جب حضرت اسٹیشن پر اترے تو حضرت نے فرمایا کہ "میں گھر نہیں سیدھا مدرسہ جاؤں گا اور وہیں پر لوگوں سے ملاقات کروں گا۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور حضرت کے اس عمل سے وہ افواہیں خاک میں مل گئیں۔

کالج کی ملازمت اور دینی خدمات ۱۹ : حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند کے ایک انتہائی ممتاز مدرّس جو حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد بھی تھے ان کو کسی کالج کی طرف سے اچھی تنخواہ پر مدرّسی کی پیش کش ہوئی۔ انہوں نے حضرت شیخ الہندؒ سے ذکر کیا اور کہا کہ "حضرت! ہم یہاں دارالعلوم میں آٹھ آٹھ دس دس گھنٹے پڑھاتے ہیں باقی وقت مطالعہ میں گزر جاتا ہے۔ اور تصنیف و تالیف یا وعظ و خطابت کے لئے بہت کم وقت ملتا ہے۔ خیال یہ ہے کہ کالج میں تدریس کا وقت بہت کم ہوگا اور باقی فارغ وقت میں تصنیف و تالیف اور دوسری دینی خدمات کا زیادہ موقع ملے گا۔ اس لئے رجحان یہ ہے کہ اس پیشکش کو قبول کرلوں۔"

حضرت شیخ الہندؒ نے اس رائے کی مخالفت کی اور فرمایا: "مولوی صاحب! مجھے امید نہیں ہے کہ وہاں جاکر آپ اتنی دینی خدمات بھی فارغ اوقات میں انجام دے سکیں۔ جتنی یہاں ہو جاتی ہیں۔"

لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی کہ زیادہ فرصت اور فراغت کے باوجود کام زیادہ کیوں نہ ہو سکے گا؟ حضرتؒ کی رائے تو نہ تھی لیکن ان کی شدید خواہش دیکھ کر اجازت دے دی اور وہ کالج میں چلے گئے۔ تقریباً ایک سال بعد چھٹیوں میں وہ دیوبند آئے اور حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرتؒ نے سلام اور دریافت خیریت کے بعد پوچھا۔

"کیوں مولوی صاحب! اس عرصے میں آپ نے کتنی تصنیف کی؟
کتنے فتوے لکھے؟ کتنے وعظ کہے؟"

یہ سوال سن کر وہ صاحب رو پڑے۔ اور کہا کہ "حضرت! حساب و کتاب کے نقطہ نظر سے تو آپ کی بات سمجھ میں نہ آتی تھی، لیکن تجربے سے سمجھ میں آگئی۔ واقعہ یہ ہے جتنا کام دارالعلوم میں عدیم الفرصتی کے باوجود ہو جاتا تھا وہاں فرصت کے باوجود اتنا بھی نہ ہوا۔"

رڑکی گودام ۲۰ : مندرجہ بالا واقعہ سنا کر حضرت والد صاحبؒ حضرت گنگوہی قدس

سرہ کا ایک ملفوظ سنایا کرتے تھے۔ فرمایا کہ: اس زمانے میں رڑکی میں کوئی کارخانہ قائم ہوا تھا۔ اس وقت مشینری چونکہ عام نہ ہوئی تھی۔ اس لئے اس کارخانے کی بڑی شہرت تھی اور اسے عام طور سے "رڑکی گودام" کہا جاتا تھا۔ حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اساتذہ دارالعلوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ۔ "ہماری مثال رڑکی گودام کے کل پرزوں کی سی ہے۔ جب تک کوئی پرزہ مشین میں فٹ ہے اس وقت تک وہ کار آمد بھی ہے' قیمتی بھی ہے اور مفید بھی۔ لیکن جب مشین سے الگ ہو گیا تو نہ اس کی کوئی قیمت ہے نہ افادیت۔"

تدریس اور ثواب ۲۱ : حضرت مولانا محمد سہول صاحب عثمانی رحمتہ اللہ علیہ حضرت شیخ الہندؒ کے ممتاز شاگردوں اور دارالعلوم دیوبند کے ان مقبول اساتذہ میں سے تھے جن کو بیک وقت حدیث اور فقہ دونوں میں اللہ تعالیٰ نے کمال عطا فرمایا تھا۔ حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت شیخ الہندؒ سے سوال کیا کہ "حضرت! ہم دینی علوم پڑھاتے ہیں اور ان پر تنخواہ بھی لیتے ہیں تو کیا ایسی تدریس پر کچھ ثواب بھی ملے گا؟

حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا: "مولوی صاحب! ثواب کی بات کرتے ہو؟ اس تدریس میں جو کچھ کوتاہیاں ہم سے ہوتی ہیں اگر ان پر مؤاخذہ نہ ہو تو اسی کو غنیمت سمجھو۔"

حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد تشریحاً فرمایا کرتے تھے کہ حضرتؒ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ تنخواہ لینے کے بعد ثواب کی کوئی امید نہیں' کیوں کہ اگر نیت بخیر ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ اس میں بھی ثواب کی امید ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ تنخواہ کا حق پورا پورا ادا کیا ہو۔ اور اگر مقررہ وقت سے کم پڑھایا' غیر حاضریاں کیں اور پڑھانے کے لئے جس محنت اور مطالعے کی ضرورت ہے اس میں کوتاہی کی تو تنخواہ کا حلال ہونا بھی مشکوک ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

فریضہ تبلیغ اور عہد حاضر ۲۲ : ایک معروف حدیث میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب چار علامتیں پائی جائیں تو بس اپنے نفس کی اصلاح کی فکر کرو اور عوام کی اصلاح کی فکر چھوڑ دو۔ اور وہ چار علامتیں یہ ہیں۔

اذا رایت شحا مطاعا وھوی متبعا ودنیا مؤثرۃ واعجاب کل ذی رای برایہ

جب دیکھو کہ جذبہ بخل کی اطاعت کی جارہی ہے' خواہشات نفس کی پیروی ہو رہی ہے' دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جارہی ہے' اور ہر صاحب رائے اپنی رائے پر مگن ہے۔

حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے سنایا کہ کسی نے حضرت شیخ الہند قدس سرہ سے سوال کیا تھا کہ "حضرت! ہمارے زمانے میں بظاہر یہ چاروں علامتیں بہ تمام و کمال پائی جارہی ہیں تو کیا اس دور میں فریضہ تبلیغ ساقط ہو گیا ہے؟"

حضرتؒ نے جواب دیا۔ "نہیں! ابھی وہ وقت نہیں آیا۔"

حضرت والد صاحبؒ حضرت شیخ الہندؒ کا صرف اتنا جواب نقل فرماتے تھے اور اس جواب کی کوئی تفصیل یا اس کی کوئی دلیل نقل نہیں فرماتے تھے۔ غالباً اس وقت حضرت نے ہی کوئی تفصیل بیان نہیں فرمائی۔ البتہ احقر نے حضرت والد صاحبؒ سے پوچھا کہ بظاہر تو چاروں شرطیں موجود ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کے دور میں نہ ہوں تو ہمارے دور میں موجود ہیں پھر فریضہ تبلیغ ساقط نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟

احقر کے اس سوال کے جواب میں حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے پہلے تو فرمایا کہ "یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ وہ وقت آگیا ہے یا نہیں' درحقیقت ایک مجتہد کی بصیرت کی ضرورت ہے ہم یہ فیصلہ کیسے کریں؟"

اس کے بعد احقر کے اصرار پر حضرت والد صاحبؒ نے اس بارے میں اپنی رائے بیان فرمائی جو ان کے الفاظ میں بالتفصیل تو یاد نہیں رہی البتہ اس کا جو تاثر ذہن پر باقی رہ گیا وہ یہ ہے کہ ان چاروں شرطوں کا خلاصہ اتنا ہے کہ ایسا وقت آجائے جس میں تبلیغ کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو' اور عوام کی اصلاح کی فکر میں انسان کو اپنی دینی حالت کے خراب ہو جانے کا خطرہ ہو۔ اور بفضلہ تعالیٰ ابھی حالات اتنے خراب نہیں ہوئے بلکہ اگر اخلاص دردمندی اور صحیح طریقے سے تبلیغ کی جائے تو وہ اب بھی مؤثر ہوتی ہے۔ ہمیں جو حالات خراب نظر آرہے ہیں ایسا نہیں ہے کہ وہ تبلیغ کا فریضہ کماحقہ انجام دینے کے باوجود خراب ہوں بلکہ ان کی خرابی کی وجہ ہی یہ ہے کہ ہم نے فریضہ تبلیغ کو یا تو چھوڑ رکھا ہے یا اس کے صحیح طریقے پر کار

بند نہیں رہے۔ اور اگر ہم اپنے اس فریضے کو صحیح طور پر بجا لائیں تو اصلاح حال کی امید ابھی بالکل ختم نہیں ہوئی۔

(۲) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

1863-1943، 1280-1362

حضرت شیخ الہند قدس سرہ کی وفات کے بعد حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضرت تھانوی قدس سرہ سے بیعت ہوئے۔ اور آپ کو حضرت حکیم الامتؒ سے جس قدر محبت و عقیدت تھی اور جتنا استفادہ آپ نے حضرتؒ سے کیا اس کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ حضرت تھانویؒ کا اسم گرامی آتے ہی حضرت والد صاحبؒ پر جو عجیب والہیت طاری ہو جاتی تھی وہ اپنی مثال آپ ہی تھی۔ حضرت والد صاحبؒ کے حضرت تھانویؒ سے تعلق کے واقعات اگر جمع کئے جائیں تو اتنے بے شمار ہیں کہ ان سے بلا مبالغہ ایک پوری کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ حضرت سے سنے ہوئے منتخب ملفوظات حضرت والد صاحب نے اپنی کتاب "مجالس حکیم الامتؒ" میں بھی جمع فرما دیئے ہیں۔ نیز "خاتمۃ السوانح" کے آخر میں حضرت والد صاحبؒ ہی نے حضرت تھانویؒ کے مرض وفات کے کچھ مزید ملفوظات بھی قلم بند فرمائے ہیں۔ اس لئے یہاں زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ البتہ حضرتؒ سے تعلق کے بارے میں چند خاص خاص باتیں قابل ذکر ہیں۔

۱ : احقر کے استاذ حضرت مولانا اکبر علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضرت والد صاحبؒ کی وفات کے بعد ایک مرتبہ تشریف لائے تو احقر سے فرمایا کہ "آج میں خاص طور پر تمہیں ایک بات بتانے آیا ہوں۔ تاکہ تم کبھی حضرت مفتی صاحبؒ کی سوانح مرتب کرو تو اس کا جزبنا سکو۔ اور وہ بات یہ ہے کہ مجھے بحمد اللہ حضرت تھانویؒ کی مجلس میں بکثرت حاضر ہونے کا شرف ملا۔ وہاں حضرتؒ کے بہت سے خلفاء کو بھی دیکھا لیکن اپنے شیخ کے ساتھ والہیت کا جو تعلق میں نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ میں دیکھا، وہ حضرت مجذوب صاحبؒ کے سوا کسی اور میں نظر نہیں آیا۔

احقر مولاناؒ کی اس بات پر چونکا، اور عرض کیا کہ: اب تک تو احقر کے ذہن پر یہ تاثر تھا

کہ والہیت کا یہ انداز حضرتؒ کے خلفاء میں حضرت مجذوب صاحبؒ کے علاوہ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ میں سب سے زیادہ تھا۔"

اس پر مولانا اکبر علی صاحبؒ نے فرمایا کہ "میں جو کچھ عرض کررہا ہوں وہ اپنے مشاہدے کی بنا پر پورے وثوق کے ساتھ عرض کررہا ہوں، اور اگر مبالغہ آمیزی مقصود ہوتی تو میں حضرت مجذوب صاحبؒ کا استثناء نہ کرتا۔"

اس کے بعد مولاناؒ نے نقل اتار کر بتایا کہ حضرت مفتی صاحب "حضرت تھانویؒ کی مجلس میں کس طرح بیٹھتے تھے، اور فرمایا کہ حضرت کے بیان کے دوران حضرت مفتی صاحب مسلسل حضرتؒ کو تکتے رہتے تھے اور ان کی ادا ادا سے مشاہدہ ہوتا تھا کہ وہ اس وقت دنیا و مافیہا سے بے خبر ہیں۔ اور جب حضرتؒ کوئی خاص بات ارشاد فرماتے تو بعض اوقات بے خودی کے عالم میں اپنی جگہ سے اچھل اٹھتے تھے۔

حضرت والد صاحبؒ حضرت تھانویؒ کی خدمت میں کس طرح پہنچے؟ یہ واقعہ خود آپ نے اپنی کتاب "مجالس حکیم الامت" کے آغاز میں تفصیل کے ساتھ بیان فرما دیا ہے اور غالباً البلاغ نمبر کے ہی بعض دوسرے مضامین میں بھی آگیا ہے۔ اس لئے یہاں اس کے اعادے کا ارادہ نہیں۔ البتہ چند ایسی چیزیں مزید ذکر کرنا چاہتا ہوں جن سے حضرت کے ساتھ والد صاحبؒ کے خصوصی تعلق پر روشنی پڑتی ہے۔ ان میں سے بیشتر وہ چند زریں جملے ہیں جو حضرت حکیم الامتؒ نے والد صاحبؒ کے خطوط کے جواب میں تحریر فرمائے۔

حضرت تھانویؒ کے چند جملے حضرت والد صاحبؒ نے حضرت تھانویؒ کے ساتھ اپنی تمام مراسلت ایک رجسٹر میں "اشرف المکاتیب" کے نام سے جمع کر رکھی ہے جس کا کچھ حصہ ماہنامہ "البلاغ" میں شائع بھی ہوتا رہا ہے اور باقی تشنہ طباعت ہے۔ ان خطوط کے چند جملے ذیل میں نقل کرتا ہوں جن سے حضرت والد صاحبؒ پر شیخ کی خصوصی توجہ کا پتہ چلتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت والد صاحبؒ نے تھانہ بھون سے دیوبند پہنچ کر حضرتؒ کو خط لکھا کہ:

یہ ناکارہ خادم حضرت والا سے رخصت ہو کر دیوبند پہنچا، اور پھر انہی ہموم و مشاغل میں گرفتار ہو گیا جن سے تھانہ بھون کے قیام میں نجات مل کر ایسا

ہے۔ الحمدللہ زیر طبع ہے۔ ناشر

معلوم ہوتا تھا کہ جنت میں ہوں..... الخ

حضرت نے جواباً تحریر فرمایا۔

اے غائب از نظر بخدا می سپارمت' دل سے دعا میں مشغول ہوں کہ ہر حالت محمود و موافق ہو' والسلام' اشرف علی۔

۲۔ ایک مکتوب میں والد صاحبؒ نے حضرتؒ کو لکھا

حضرت کی دعا و ہمت کی سخت ضرورت ہے' کوئی عمل و قابلیت تو ایسی نہیں جو جالب عنایات و توجہ ہو' البتہ دعا و عنایت کی طرف احوج الحوام ہوں اور ہر کجا رنجے شفا آنجا رود کے مصداق کا متوقع۔"

حضرتؒ نے جواب میں صرف ایک مصرعہ لکھا جس میں شفقت و عنایت اور توجہ و التفات کی ایک کائنات پوشیدہ ہے۔ فرمایا

"من غم تومی خورم تو غم مخور"

۳۔ ۲۸ جمادی الثانیہ ۱۳۵۲ھ کے ایک مکتوب میں والد صاحبؒ نے لکھا

"زیادہ افسوس اس کا ہے کہ جس راستہ میں حضرت کے زیر نظر قدم رکھا تھا اس میں کوئی قدم نہ چل سکا' کچھ تو مشاغل ایسے ہیں کہ فرصت نہیں ملتی' کچھ ضعف طبیعت اور مزید اس پر غفلت' غرض کچھ کام نہ کبھی ہوا اور نہ ہوتا نظر آتا ہے' اس لئے ناکارہ غلام زیادہ محتاج دعا و توجہ ہے کہ ایسی حالت میں یہی سرمایہ نجات نظر آتا ہے۔"

حضرتؒ نے اس کے جواب میں کیسا عجیب جملہ تحریر فرمایا۔

"انشاء اللہ تعالیٰ حرمان نہ ہوگا' اگر سیر سے قطع نہ ہوگا' اللہ تعالیٰ طیر سے قطع فرمادیں گے۔"

اس خط کے بعد والد صاحبؒ نے لکھا۔

"حضرت کا گرامی نامہ باعث ہزاراں مسرت ہوا' درماندہ سیر کے لئے طیر کے احتمال نے مردہ تن میں روح کا کام کردیا۔"

حضرتؒ نے فرمایا۔

"انشاء اللہ تعالیٰ اس کو عنقریب دیکھ لیا جاوے گا۔"

۴۔ ایک مرتبہ حضرت والد صاحبؒ نے تحریر فرمایا۔

"نماز میں بالخصوص آخر شب میں ایک حظ عجیب ہوتا ہے' اور کبھی کبھی گریہ طاری ہوتا ہے۔ جو رکن صلاۃ شروع کرتا ہوں اس کو چھوڑنے کو اس وقت تک دل نہیں چاہتا جب تک بدن تھک نہ جائے بالخصوص سجدے میں زیادہ ٹھہرنے کو دل چاہتا ہے۔"

(مکتوب ۲۸ رمضان ۱۳۴۷ھ)

حضرتؒ نے جواب دیا۔

"یہ تو بعض دفعہ بچوں کو بھی نصیب نہیں ہوتا اور کیا چاہیے؟۔"

۵۔ رمضان ۱۳۴۸ھ میں حضرت والد صاحبؒ نے لکھا۔

"اگر کبھی کسی وقت خواب غفلت اور خمود ظلمت سے نجات ملتی ہے اور اپنی حقیقت پر نظر پڑتی ہے۔ اور پھر حضرت حق جل وعلاء کی عظمت کا تصور ہوتا ہے تو ایک عجیب حیرت کا عالم سامنے آجاتا ہے۔ اپنے نفس کو محض مجبور پاتا ہوں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا سمندر کی موجوں میں ایک تنکا ہے جو "مے برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست" کا مظہر بنا ہوا ہے' اپنا کوئی قول و فعل اپنا نظر نہیں آتا۔ البتہ یہ عجیب تر ہے کہ عین اس حالت میں بھی جبر محض کا عقیدہ نہیں ہوتا۔ اس انکشاف مجبوریت و مقہوریت کو وجدانی طور پر مسئلہ اختیار کا مزاحم نہیں سمجھتا' ایک روز غلبہ عظمت و ہیبت میں اپنے کو "بلبل ہوں پر شکستہ فتادہ چمن سے دور" کا مصداق پاتا تھا اور بار بار یہ شعر زبان پر آتا تھا کہ

کیف الوصول الی سعاد ودونها
قلل الجبال و دونهن خیوف

یہاں تک کہ غلبہ یاس ہونے لگا' مگر الحمد للہ معاً رحمت الہیہ کی وسعت سامنے آگئی اور ذہن اس طرف متوجہ ہوگیا کہ اپنی طاقت و قوت نے نہ اس حد تک پہنچایا ہے اور نہ آگے' اس کی رسائی کی توقع ہے جس رحمت

نے یہاں دروازہ پر لا ڈالا ہے وہی کسی روز مدد کرے گی تو سب کچھ ہو رہے گا۔

یہ جو کچھ لکھا ہے' اگرچہ سوچ سوچ کر لکھا ہے کہ شاعرانہ تخیل نہ ہو جائے' مگر چونکہ یہ حالت مستمر نہیں' ڈرتا ہوں کہ اس کو اپنا حال کہنا بھی جائز ہے یا نہیں' مگر اتنی بات بہ تکرار محسوس کی ہے کہ جب کبھی حضور قلب نصیب ہوا تو یہی حالت محسوس ہوتی ہے۔"

حضرتؒ نے جواب دیا۔

"الحمد للہ! دریا میں خوض عطا ہوا' یہ اسی کی موجیں ہیں جو زیر و زبر کر رہی ہیں۔ اگر اس میں غرق ہو گئے یونس علیہ السلام کی سنت نصیب ہوئی' اور اگر پار ہو گئے موسیٰ علیہ السلام کی سنت نصیب ہوئی' دونوں حالتیں مبارک ہیں' میں تو بہت خوش ہوا اپنے احباب کے لئے انہیں حالتوں کے معلوم کرنے کا مشتاق رہتا ہوں۔"

اس سے اگلے مکتوب میں بھی کچھ اسی قسم کے احوال ہیں' ان کے جواب میں حضرتؒ نے انتہائی پر کیف جملہ تحریر فرمایا ہے۔

اول مکتوب سے آخر تک یہی امارات ہیں قطع مسافت کے جس پر وصول مرجو ہے' انشاء اللہ تعالیٰ بجوشید و نوشید و مستی کنید۔"

۶۔ شوال ۴۸ھ کے ایک مکتوب میں حضرت والد صاحبؒ نے لکھا۔

"یہ بات جو کبھی دلائل سے سمجھ میں نہیں آتی تھی اب تقریباً بدیہی ہو گئی کہ ہم اور ہمارا عمل کوئی چیز نہیں بلکہ کریشۃ یارض فلاۃ تقلبھا الریاح کیف تشاء گویا بالکل مشاہد ہے۔"

حضرتؒ نے جواب دیا۔

ھنیئاً لکم العلم

۷۔ ذی الحجہ ۴۷ھ میں والد صاحبؒ نے لکھا

"کل آخر شب میں جو بیدار ہوا' تو ایک خواب دیکھ رہا تھا کہ میں اپنے مکان کی چھت پر ہوں اور وقت بین العشائین کا سا معلوم ہوتا ہے'

میں نماز عشاء کے لئے اٹھا تو دیکھتا ہوں کہ ہمارے مکان سے شرقی جانب میں آسمان پر نہایت جلی قلم سنہری حرفوں میں یا اللہ لکھا ہوا ہے۔ اسی کے قریب دو تختیاں سنہری معلق ہیں۔ جن پر کچھ تحریر لکھی ہے مگر دور سے پڑھی نہیں جاتی۔ اور کچھ اور کلمات تختیوں سے علیحدہ بھی خط طغرا مختلف شکلوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ میں یہ تماشا دیکھ ہی رہا تھا کہ ان تختیوں میں سے ایک اپنی جگہ سے علیحدہ ہوئی اور میرے پاس مکان کی چھت پر آکر رکھی گئی۔ میں دوڑا کہ اٹھاؤں، لیکن دل میں یہ یقین ہے کہ اس لوح کا احترام ایسا ہی فرض ہے جیسے قرآن مجید کا۔ اور یہ بھی خیال ہے کہ مجھے اس وقت وضو نہیں، اس لئے ایک رومال سے پکڑ کر میں نے اس سنہری لوح کو اٹھایا اول نظر میں چند کلمات نظر پڑے جن میں اللوح المحفوظ بھی ہیں۔ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ یہ دولت تو حق تعالیٰ نے عطا فرمادی ہے۔ میں اس کو اطمینان سے بعد نماز پڑھوں گا تاکہ جماعت عشاء نہ جاتی رہے۔ اس لئے اس لوح کو اپنے نماز کے تخت پر احتیاط سے رکھ کر میں نماز عشاء کو چلا گیا، پھر آنکھ کھل گئی، اگر تعبیر بیان فرمادی جاوے تو قضاء تعجب ہو کر باعث طمانیت ہوگا، اور اگر حضرت کے مذاق کے خلاف ہو تو اتباع مذاق حضرت والا سب سے مقدم ہے۔"

حضرتؒ نے جواب دیا

میرے خیال میں تو یہ قلب ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی معرفت و محبت کا نقش ثبت کر دیا گیا، مبارک ہو۔"

۸۔ صفر ۴۵ھ میں والد صاحبؒ نے لکھا۔

ایک رات میں نے دیکھا میں کسی باغ میں ہوں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی جہاد سے واپسی ہوئی ہے۔ اور میں ایک طرف جا کر باغ کے کنارے دم لینے کے لئے بیٹھ گیا ہوں۔ اس عرصہ میں سامنے سے ایک شخص پہنچتا ہے جو ارباب مدرسہ بالخصوص مولانا حبیب الرحمان صاحبؒ کا بھیجا ہوا ہے کہ چلو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو اس میدان میں تشریف فرما

ہیں تمہیں طلب فرماتے ہیں' میں فوراً خوش خوش ان کے ساتھ ہولیا' سامنے ڈیرے پڑے ہوئے نظر آئے' مجھے بتلایا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہیں تشریف فرما ہیں۔ اور راستے ہی میں یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی جہاد کی تیاری ہے اور مجھے بھی اسی لئے طلب فرمایا گیا ہے..... الخ۔

حضرتؒ نے جواباً تحریر فرمایا۔

انشاء اللہ آپ کو دینی خدمت کی توفیق عطا ہوگی اور وہ نافع بھی ہوگی۔"

اسی خط میں حضرت والد صاحبؒ نے آگے لکھا تھا۔

"دوسرا خواب اس کے چند روز بعد دیکھا۔ کہ حجر اسود مکہ معظمہ سے ہمارے گھر میں کچھ لوگ اپنے سر پر لائے ہیں۔ جب گھر میں پہنچے تو میری اہلیہ آگے بڑھی کہ اس کو لے لے مگر بوجھل ہونے کی وجہ سے ان سے سنبھل نہ سکا اور زمین پر گر گیا۔ میں یہ سارا واقعہ اپنے کوٹھے پر دیکھ رہا تھا۔ رکن کو گرتے ہوئے دیکھ کر دوڑا اور ٹوٹنے کا اندیشہ ہوا مگر جب پاس آیا تو دیکھا کہ بحمد اللہ اس میں کوئی شکست نہیں آئی۔"

حضرتؒ نے جواب میں لکھا۔

کسی وقت آپ کو ایک گونہ مرکزیت خدمات دینیہ کی عطا ہوگی۔"

۹۔ حضرت والد صاحبؒ کی عادت تھی کہ زندگی کا کوئی معاملہ جو فی الجملہ اہم ہو اپنے شیخ سے استصواب اور مشورہ کے بغیر نہ کرتے تھے۔ چنانچہ خطوط میں بسا اوقات اپنے گھریلو معاملات اور مدرسہ کے حالات وغیرہ بھی لکھتے رہتے تھے۔ ایک مکتوب میں اسی قسم کے کچھ حالات تحریر فرمائے اور آخر میں لکھا کہ

"یہاں تک لکھنے کے بعد خیال آیا کہ افسوس حضرتؒ کے تمام منتسبین حضرت والا کی خدمت میں اپنے اپنے حالات رفیعہ لکھتے ہیں اور تعلیمات سامیہ سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں' اور ایک میں نالائق و ناکارہ ہوں کہ حضرت کی خدمت میں بھی عریضہ لکھتا ہوں تو دنیا کے جھگڑے جن میں خود مبتلا ہوں۔"

حضرتؒ نے اس کے جواب میں جو جملہ لکھا وہ ایک شیخ کامل اپنے صرف ایسے ہی مسترشد کو لکھ سکتا ہے جس کی زندگی کا ہر گوشہ اس کے سامنے الم نشرح ہو' اور جسے اپنے مرید کی وسعت ظرف پر اچھا اعتماد ہو کہ اس پر اس جملہ کا کوئی اثر غلط نہیں ہوگا فرمایا کہ

"لیکن دوسرے کی دنیا آپ کا تو دین ہی ہے۔" (مکتوب ۳۰ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ)

۱۰۔ اپنے شیخ کے ساتھ مناسبت' محبت اور عقیدت کے تعلق کا یہ عالم تھا کہ ایک خط میں حضرت کو تحریر فرماتے ہیں

> ایک اور حال یہ ہے کہ ایک مدت سے حضرت والا کی توجہات و عنایات کو ایک شعاع نوری کی شکل میں متشکل اس طرح کا محسوس پاتا ہوں کہ حضرت کی سمت سے نکلتی ہے اور اس نالائق خادم کے قلب پر پہنچتی ہے اور اس رشتہ کی وجہ سے میں کسی شہر میں کسی جگہ ہوں' حضرت کی جائے اقامت کی سمت کو بغیر کسی غور و فکر کے محسوس کرتا ہوں اور ایک ایسا جاذبہ پاتا ہوں جیسے قطب نما کو جانب قطب اور بعض اوقات تو اس کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ شام کو جنگل کی طرف نکلتا ہوں تو یوں جی چاہتا ہے کہ تھانہ بھون کی سمت اختیار کروں' تاکہ جس قدر بھی قرب ہو اور بُعد کم ہو' غنیمت سمجھوں۔"
>
> حضرت حکیم الامتؒ نے جواب دیا کہ۔
>
> "یہ مناسبت تامہ کا اثر ہے۔"

۱۱۔ حضرت والد صاحبؒ کا تو یہ معمول تھا ہی کہ اپنے ہر قابل ذکر معاملے کا تذکرہ حضرتؒ سے کرتے تھے۔ لیکن حضرتؒ کا معاملہ بھی یہ تھا کہ تصنیف و تالیف اور تبلیغ و فتویٰ سے لے کر اپنے خانگی امور تک میں حضرت والد صاحبؒ کو شریک رکھتے اور ان سے بے تکلفی کے ساتھ کام لیتے رہتے تھے۔ اور چونکہ حضرت والد صاحب عموماً حضرت کے منشاء اور مزاج و مذاق کے مطابق خدمت انجام دیتے تھے۔ اس لئے حضرت بڑے خوش ہو کر دعائیں دیتے تھے' ایک ایسے ہی موقع پر جب کہ حضرتؒ کے ذہن پر ایک کام کا تقاضا تھا اور بعض دوسرے حضرات نے اس میں دیر کردی تھی۔ بالآخر حضرت والد صاحبؒ کو وہ کام تفویض فرمایا۔ اور جب والد صاحب نے اس کے ابتدائی مراحل کی اطلاع دی تو حضرتؒ نے لکھا۔

"میرا امر فطری ہے کہ جو کام آپ کے ہاتھ آجاتا ہے اس سے سکون ہو جاتا ہے، نہ کہ تکمیل کے یقین کی بنا پر کہ یہ تو غیب ہے، بلکہ تیقن اہتمام کی بنا پر کہ مشاہد ہے۔"

۱۲۔ ایک مرتبہ ایک فقہی مسئلہ میں کافی دن تک خط و کتابت رہی۔ حضرت والد صاحبؒ کو حضرت حکیم الامتؒ کے موقف پر کچھ اشکالات تھے جن میں سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر میں حضرت والد صاحبؒ نے لکھا۔

والا نامہ سامی صادر ہو کر باعث شفا صدر ہوا۔ الحمد للہ کہ مسئلہ زیر بحث میں بجمیع تفاصیلہا شفاء کلی ہو گئی۔ فلکم المنۃ والشکر۔ (۱۰ رمضان ۴۶ھ)

حضرتؒ نے جواب میں تحریر فرمایا۔

مشفقی زاد اللہ تعالیٰ کمالاتہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی۔

۱۳۔ الحیلۃ الناجزۃ حضرت تھانویؒ کی وہ تصنیف ہے جس کی جلد از جلد تکمیل کا حضرت کے ذہن پر بہت تقاضا تھا۔ اور اس کی ابتدائی تسوید کا کام حضرت والد صاحبؒ ہی کے سپرد فرمایا تھا۔ جب یہ مسودہ مکمل ہوا تو والد صاحبؒ نے حضرتؒ کو بھیجا اور لکھا کہ۔

آج اس جزو کو تمام کر کے ارسال خدمت کرتا ہوں، خدا کرے کہ پسند خاطر عاطر ہو۔

(۱۷ جمادی الثانیہ ۵۱ھ)

حضرتؒ نے جواب دیا۔

بحمد اللہ تعالیٰ پسند آیا اور خوب پسند آیا، اور تفصیلی مطالعہ کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ زیادہ پسند آوے گا۔

اجازت بیعت ۱۴۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے والد صاحبؒ کو اجازت بیعت کے لئے جو مکتوب تحریر فرمایا وہ بھی یہاں نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

"مشفقی مولوی محمد شفیع صاحب مدرس دار العلوم دیوبند سلمہ اللہ

تعالیٰ۔

السلام علیکم۔ بے ساختہ قلب پر وارد ہوا کہ آپ کو مع دوسرے بعض احباب کے بیعت و تلقین کی اجازت دوں۔ پس توکلاً علی اللہ تعالیٰ اس وارد پر عمل کرنے کے لئے آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ اگر کوئی طالب حق آپ سے اس کی درخواست کرے تو قبول کر لیں' اس سے منتظم کے ساتھ معلم کو بھی نفع ہوتا ہے۔ میں بھی دعا کرتا ہوں اور اپنے خاص مخلصین پر اس کو ظاہر بھی کر دیجئے بنظر احتیاط بیرنگ لفافہ بھیجتا ہوں والسلام'

عبدہ اشرف علی از تھانہ بھون۔ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ۔

اس مکتوب کے پہنچنے پر والد صاحبؒ نے حضرتؒ کو لکھا۔

والا نامہ گرامی صادر ہوا۔ دیکھ کر حیرت میں رہ گیا کہ ناکارہ و آوارہ شفیع اور بیعت و تلقین کی اجازت؟ صلاح کار کجا و من خراب کجا۔

میں تو واللہ باللہ کسی بزرگ سے بیعت ہونے کا بھی سلیقہ نہیں رکھتا۔ سلوک کے ابتدائی مراحل سے بھی روشناس نہیں' کسی دوسرے کو کیا تلقین کروں گا۔ اور پھر ایسا کون بے وقوف ہوگا جو مجھ سے درخواست بیعت کرے گا؟ بار بار والے نامہ کو دیکھتا اور اپنی سیاہکاری پر نظر کرتا ہوں تو حیرت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ مجھ جیسے غفلت شعار سیاہ کار کو اتنے بڑے منصب سے نوازنا کہیں اس منصب کی بدنامی کا سبب نہ ہو۔ اس خیال سے یوں جی چاہتا ہے کہ اس کی اشاعت نہ ہو تو اچھا ہے۔

حضرتؒ نے جواباً تحریر فرمایا۔

یہی تو بناء ہے اس اجازت کی کہ آپ اپنے کو ایسا سمجھتے ہیں۔"

آگے والد صاحبؒ نے لکھا تھا۔

اس والا نامے کے بعد سے ہر قدم پر اپنی ناکارگی کا مزید احساس ہونے لگا۔"

حضرتؒ نے فرمایا۔

انشاء اللہ تعالیٰ بہت نفع ہوگا۔"

۱۵۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کو حضرت والد صاحبؒ سے جو خصوصی محبت کا تعلق تھا اور آپ کی خداداد صلاحیتوں کی جو قدر دانی حضرتؒ نے فرمائی اس کے چند واقعات بھی ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت والد صاحبؒ نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ دارالعلوم دیوبند کے احاطہ میں گزارا۔ لیکن ۱۳۶۲ھ میں جب علمائے دیوبند کے درمیان آزادئ ہند کے طریق کار کے مسئلہ میں اختلاف رائے پیدا ہوا اور یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ اس اختلاف کی وجہ سے یہ مقدس ادارہ متاثر نہ ہو تو حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت والد صاحبؒ بھی دارالعلوم سے مستعفی ہوگئے۔ ان کے علاوہ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ اور حضرت مولانا ظہور احمد صاحبؒ وغیرہ نے بھی استعفا دیا تھا اور یہ اقدام حضرت تھانویؒ کے مشورہ سے ہی ہوا تھا۔

استعفاء کے بعد حضرت قدس سرہ نے حضرت والد صاحب کو یہ پیش کش فرمائی کہ خانقاہ تھانہ بھون آکر حضرتؒ کے زیر ہدایت تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول ہوجائیں۔ یہ بات حضرت والد صاحبؒ کی تعیین مراد تھی۔ چنانچہ آپ نے اسے بصد مسرت و افتخار قبول فرمایا۔ اس موقع پر جب حضرت والد صاحبؒ تھانہ بھون پہنچے اور حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرتؒ نے والد صاحبؒ کو دیکھتے ہی سلام و دعا کے بعد یہ مصرعہ پڑھا کہ

اضاعوہ وای فتی اضاعو

لوگ اسے کھو بیٹھے، اور کیسے جوان کو کھو بیٹھے؟

۱۶۔ ایک واقعہ احقر نے کئی بار حضرت والد صاحبؒ سے سنا۔ اور بعد میں آپ کی ایک بیاض میں بھی لکھا ہوا دیکھا۔ اسے حضرت والد صاحبؒ کی بیاض سے آپ ہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔

> تقریباً ۱۳۵۵ھ یا ۵۶ھ کا واقعہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے چند اکابر جن میں سیدی و استاذی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ کا ہونا یقین سے یاد ہے، اور بعض دوسرے حضرات بھی تھے ان کا نام یاد نہیں، احقر بطور خادم ساتھ تھا۔ بعض مہمات امور میں مشورہ کے لئے تھا نہ

بھون حاضر ہوئے۔

حضرت قدس سرہ نے صبح کو اشراق کے بعد کا وقت مقرر کیا۔ اور حاضرین خانقاہ علماء کو بھی شریک مشورہ فرمایا جن کے اسماء یاد نہیں۔

مقررہ وقت پر حضرت قدس سرہ حوض کے کنارے پر اپنے مصلے پر تشریف فرما تھے۔ دوسرے حضرات کے لئے سامنے ایک چٹائی ڈال دی تھی مجھے وضو وغیرہ میں کچھ دیر لگی۔ جب سب حضرات کے جمع ہونے کے بعد میں پہنچا تو سامنے کی چٹائی جس پر سب حضرات علماء تھے اس پر جگہ نہ تھی مجھے دیکھ کر حضرتؒ نے اپنے پاس مصلے پر بلایا۔ میں نے بوجہ ادب کے معذرت چاہی کہ یہیں چٹائی کے قریب بیٹھ جاؤں گا۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ نہیں! تم یہیں آجاؤ اور گھبراؤ نہیں' ایک قصہ سناؤں گا۔ احقر نے تعمیل حکم کی۔ پھر حضرتؒ نے عالمگیرؒ اور داراشکوہ کا قصہ سنایا جس میں ایک بزرگ نے دونوں شہزادوں کو اپنے پاس تخت پر بلایا داراشکوہ نے عذر کیا' مگر عالمگیر نے تعمیل حکم کی۔ اور تخت پر بیٹھ گئے تو ان بزرگ نے فرمایا کہ ہمارے بادشاہ تو داراشکوہ کو چاہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ عالمگیر ہی کو تخت دینا چاہتے ہیں۔ پھر ایسا ہی واقعہ ہوا۔

یہ واقعہ سن کر سب حضرات خصوصاً حضرت میاں صاحب مولانا سید اصغر صاحبؒ نے مجھے فرمایا کہ فال نیک مبارک ہو۔"

حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے یہ واقعہ وفات سے تین روز پہلے اتوار کی مجلس میں بھی بیان فرمایا تھا۔

۱۷۔ حضرت والد صاحبؒ سے بارہا سنا کہ ایک مرتبہ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ نے اپنے خلیفہ مجاز حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے حضرت والد صاحبؒ سے پوچھا کہ ان کے ساتھ آپ کے تعلقات کیسے ہیں؟

حضرت مولانا وصی اللہ صاحبؒ والد ماجدؒ کے (غالباً کافیہ وغیرہ میں) ہم سبق رہے تھے۔ چنانچہ والد صاحبؒ نے جواب میں یہ شعر پڑھ دیا کہ ۔

ماہ مجنوں ہم سبق بودیم در سندان عشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

حضرت تھانوی قدس سرہ نے جواب میں فرمایا۔ جی ہاں! یہ تو قدرت کی تقسیم ہے کسی کو صحرا دیا جاتا ہے اور کسی کو سزا دیا جاتا ہے۔"

۱۸۔ برادر مکرم جناب مولانا عبدالشکور صاحب ترمذی راوی ہیں کہ جب حضرت والد صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی رحمتہ اللہ علیہ نے "الحیلۃ الناجزۃ" کی تالیف مکمل کرلی تو حضرت تھانوی قدس سرہ نے دونوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

آپ دونوں میری آنکھیں ہیں۔ ایک کے نام کے شروع میں عین ہے
(یعنی عبدالکریم) اور دوسرے کے نام کے آخر میں عین ہے (یعنی محمد شفیع)

۱۹۔ احقر نے اپنے مرشد و مربی حضرت قبلہ ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی مدظلہم سے بارہا سنا کہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے آخر عمر میں ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ "بحمداللہ! مجھے اطمینان ہے کہ میرے بعد کام کرنے والے باقی رہیں گے اور اس کے بعد کچھ حضرات علماء کے نام لئے جن میں حضرت والد صاحبؒ کا اسم گرامی بھی شامل تھا۔

۳۔ امام العصر حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ

1292-1352 ھ
1875-1933

امام العصر حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمتہ اللہ علیہ حضرت والد صاحبؒ کے ان اساتذہ میں سے تھے جن کا آپ کی علمی تربیت اور تحقیقی مذاق کی آبیاری میں شاید سب سے زیادہ حصہ ہے۔ والد صاحب نے حضرت شاہ صاحبؒ سے صحیح بخاریؒ اور جامع ترمذی کے علاوہ فلسفہ جدیدہ اور طب وغیرہ کی کتابیں بھی پڑھی تھیں۔ اور تدریس کے دوران بھی استفادے کا سلسلہ طویل عرصے تک جاری رہا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا نام آتے ہی والد صاحبؒ کے چہرے پر عجیب قسم کی بشاشت آجاتی تھی۔ اور ان کا تذکرہ بڑی عقیدت و محبت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے بارے میں والد صاحبؒ سے سنے ہوئے چند واقعات اس وقت بھی یاد آگئے۔

۱۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے جو غیر معمولی حافظہ اور علوم کا حیرت انگیز استحضار عطا فرمایا تھا وہ محتاج بیان نہیں۔ حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں منطق کی مشہور کتاب "ملا حسن" کا درس میرے سپرد تھا۔ مجھے مطالعے کے دوران اس کے ایک مقام پر اشکال پیدا ہوا۔ اور جب کوئی علمی اشکال پیدا ہوتا تو حضرت شاہ صاحبؒ کی ذات ہماری پناہ گاہ تھی۔ چنانچہ میں ان کے پاس پہنچ گیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس وقت کتب خانے کی بالائی گیلری میں بیٹھے مطالعے میں مشغول تھے' اوپر ہی سے مجھے آتے ہوئے دیکھا تو سلام کے بعد پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟

میں نے عرض کیا کہ "ملا حسن" کے ایک مقام پر اشکال پیش آگیا ہے وہ حل کرنا تھا۔ خیال تھا کہ جواب میں حضرت شاہ صاحبؒ مجھے اوپر بلالیں گے' لیکن حضرتؒ نے بلانے کے بجائے وہیں بیٹھے بیٹھے فرمایا۔ کون سا مقام ہے' عبارت پڑھئے! میں نے عبارت پڑھی اور ابھی اپنے اشکال کی وضاحت بھی نہ کی تھی کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے وہیں سے فرمایا۔ اچھا تمہیں یہاں یہ اشکال ہوا ہوگا۔ اور پھر اشکال کی تقریر بھی خود ہی فرمائی۔ اور جواب بھی وہیں بیٹھے بیٹھے اس طرح دے دیا کہ مجھے مسئلے میں مکمل اطمینان ہوگیا۔

حضرت والد صاحبؒ یہ حیرت انگیز واقعہ سنا کر فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی تفسیر حدیث یا فقہ کی کتاب ہوتی تو مجھے اتنا تعجب نہ ہوتا' لیکن حیرت اس بات کی تھی کہ منطق کی اس کتاب کے بارے میں پوچھنے گیا تھا جسے پڑھے پڑھائے ہوئے حضرت شاہ صاحب کو یقیناً سالہا سال گزر چکے تھے۔ لیکن اس سوال و جواب سے اندازہ ہوا کہ یہ کتاب بھی حافظے میں پوری طرح محفوظ ہے۔

۲۔ فرمایا کہ ایک روز صحیح بخاری کے درس میں کسی مسئلے پر بحث کرتے ہوئے' حضرت شاہ صاحبؒ نے فتح القدیر کی ایک لمبی عبارت اس طرح زبانی پڑھی جیسے کتاب دیکھ کر پڑھ رہے ہوں۔ جب عبارت ختم ہوئی تو طلباء حضرتؒ کو حیرت سے تک رہے تھے۔ طلباء کو متحیر دیکھا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا۔

> "جاہلین! کیا یہ سمجھتے ہو کہ اس عبارت کا رات مطالعہ کر کے آیا ہوں؟ واقعہ یہ ہے کہ آج سے کئی سال پہلے (غالباً) ٹونک کے کتب خانے میں فتح القدیر کا باستیعاب مطالعہ کیا تھا۔ یہ عبارت اس وقت کی یاد ہے۔"

۳۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ سخت بیمار تھے اور علالت طول پکڑ گئی تھی۔ ایک صبح فجر کے وقت یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ حضرتؒ کا وصال ہو گیا۔ خدام پر بجلی سی گر گئی اور نماز فجر کے فوراً بعد ہم سب حضرتؒ کے مکان کی طرف لپکے۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بھی ساتھ تھے۔ گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ بحمد اللہ خبر غلط تھی۔ البتہ تکلیف کی شدت برقرار ہے۔ ہم سب لوگ حضرت کی عیادت کے لئے کمرے میں پہنچے تو دیکھا کہ حضرتؒ نماز کی چوکی پر بیٹھے ہیں۔ سامنے تکیے پر ایک کتاب رکھی ہے۔ اور اندھیرے کی وجہ سے حضرتؒ جھک کر اس کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ خدام کو یہ منظر دیکھ کر حیرت کے ساتھ تشویش بھی ہوئی کہ ایسی علالت میں مطالعے کے لئے اتنی محنت برداشت کرنا مرض میں مزید اضافے کا موجب ہو گا۔ چنانچہ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے ہمت کر کے ناز کے ساتھ عرض کیا کہ۔

"حضرت! یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اول تو وہ کون سی بحث رہ گئی ہے جو حضرت کے مطالعے میں نہ آ چکی ہو۔ اور اگر بالفرض کوئی بحث ایسی ہو تو اس کی فوری ضرورت کیا پیش آ گئی ہے کہ اسے چند روز مؤخر نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر بالفرض کوئی فوری ضرورت کا مسئلہ ہے تو ہم خدام کہاں مر گئے ہیں؟ آپ کسی بھی شخص کو حکم فرما دیتے وہ مسئلہ دیکھ کر عرض کر دیتا، لیکن اس اندھیرے میں ایسے وقت آپ جو محنت اٹھا رہے ہیں وہ ہم خدام کے لئے ناقابل برداشت ہے۔"

والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحبؒ کچھ دیر تو انتہائی معصومیت اور بے چارگی کے انداز میں مولانا شبیر احمد صاحبؒ کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا۔

"بھائی ٹھیک کہتے ہو، لیکن یہ کتاب بھی تو ایک روگ ہے اس روگ کا کیا کروں؟"

۴۔ فرمایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ دن رات مطالعے اور علمی مشاغل میں اس درجہ منہمک رہتے تھے کہ دنیا آپ کو چھو کر بھی نہ گزری تھی۔ دنیوی بکھیڑوں میں الجھنا حضرت شاہ صاحب کی استطاعت سے باہر تھا۔ اور دار العلوم کے اصحاب انتظام اور شاگردوں کو چونکہ اس بات کا علم تھا اس لئے وہ حضرت کے گھریلو کام دھندوں کو خود ہی نمٹانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرتؒ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی شخص

نے آکر اطلاع دی کہ: "حضرت! آپ کے کمرے کی چھت گر پڑی ہے۔" اطلاع دینے والے نے اس انداز سے خبر دی تھی کہ حضرت شاہ صاحبؒ اس خبر کو سنتے ہی اچھل پڑیں گے۔ لیکن حضرتؒ اطمینان سے بیٹھے رہے۔ پھر انتہائی معصومیت کے ساتھ فرمایا۔

"تو بھائی میں کیا کروں؟ جاکر کہو مولانا حبیب صاحب (مہتمم دارالعلوم) سے!"

چنانچہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کو اطلاع دی گئی' اور انہوں نے کمرے کی مرمت وغیرہ کرادی۔

۵۔ حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بارہا ذکر فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنی مجلس میں کسی کی غیبت کو کسی حال برداشت نہیں فرماتے تھے۔ جب کبھی کوئی شخص کسی دوسرے کا تذکرہ شروع کرتا اور نوبت غیبت کے قریب پہنچنے لگتی تو حضرتؒ ہاتھ اٹھا کر فرماتے "بس! اس کی حاجت نہیں۔" اور غیبت کا فتنہ وہیں مرجاتا۔

۶۔ حضرت والد صاحبؒ اکثر فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحبؒ کو ہر علم و فن میں کمال عطا فرمایا تھا۔ اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حریری جیسے ادباء کا معارضہ آسانی سے کر سکتا ہوں۔ اور زمخشریؒ اور جرجانیؒ سے بہتر نثر لکھ سکتا ہوں۔ لیکن دو کتابیں ایسی ہیں جن کی نقل اتارنا بھی میرے لئے مشکل ہے۔ ایک ہدایہ' دوسری گلستان۔"

۷۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ دو لنگڑے بزرگوں (زمخشریؒ اور جرجانیؒ) نے علم بلاغت کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ حالانکہ بلاغت کے بہت سے ابواب ایسے ہیں جن کی طرف ان کی نگاہ بھی نہیں گئی۔

۸۔ فرمایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ اپنے درس میں صرف علمی تحقیقات بیان فرمانے پر اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ ساتھ ساتھ طلباء کو اعمال و اخلاق کی اصلاح کی طرف بھی متوجہ فرماتے رہتے تھے۔ اسی طرح ایک روز طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

"ہمارے اس علم میں دنیا تو کبھی تھی ہی نہیں' ہاں اس کے ذریعے دین ملا کرتا تھا۔ افسوس کہ وہ تم نے نہ لیا۔ خسرالدنیا والاخرۃ۔"

۹۔ فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ امام رازیؒ کی تفسیر کبیر کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ وہ نظم قرآن کے سلسلے میں بھی بہترین تفسیر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ

امام رازیؒ پر معقولات کا غلبہ تھا۔ اور اسی وجہ سے کہنے والوں نے تفسیر کبیر کے بارے میں یہاں تک کہہ دیا کہ فیہ کل شئی الا التفسیر لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر انصاف کے ساتھ ان کی تفسیر کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ انہوں نے نظم قرآن کے سلسلے میں غیر معمولی تدبر سے کام لیا ہے۔ اور اس کی تحقیق میں خوب محنت کی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کی بعض باتوں سے اختلاف ہو، لیکن بحیثیت مجموعی ان کی تفسیر بحیثیت تفسیر بھی خوب ہے، اس کے علاوہ وہ بکثرت ایسی صحیح احادیث بھی تفسیر میں لے آتے ہیں جو متداول کتب حدیث میں نہیں ملتیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظر حدیث میں بھی وسیع ہے۔

۱۰۔ حضرت والد صاحبؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ مقولہ نقل فرمایا ہے کہ "چاروں فقہی مذاہب حنفی، شافعی، مالکی، اور حنبلی کے برحق ہونے کے یہ معنے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کا اجتہاد ماجور ہے اور مقلدین کے لئے اس کی تقلید جائز ہے۔ لیکن جہاں تک "حق نفس الامری" کا تعلق ہے وہ واحد ہی ہے لیکن اس واحد کی تعیین کا کوئی راستہ نہیں۔ دنیا میں تو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ سلسلہ نبوت منقطع ہو چکا، البتہ آخرت میں اس بات کا امکان تھا کہ وہاں اس حقیقت کو کھول دیا جائے۔ لیکن (حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ) میرا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وہاں بھی اس مسئلہ کو نہیں کھولیں گے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ جن فقہائے امتؒ نے اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ اجتہاد کر کے دین کی خدمت کی ان میں سے کسی کی تغلیط فرما کر اللہ تعالیٰ اس کو حشر میں رسوا کریں۔ اس لئے ظاہر یہی ہے کہ اس حق نفس الامری کی تعیین آخرت میں بھی نہیں ہو گی۔"

۱۱۔ آخر عمر میں حضرت شاہ صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے مرزائیت کی تردید کے لئے گویا چن لیا تھا۔ مرزائیت کے بڑھتے ہوئے فتنے کی فکر ہر وقت آپ کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی۔ چنانچہ اس فتنے کی سرکوبی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحبؒ سے بہت کام لیا۔ اس کام کے لئے حضرتؒ نے اپنے تلامذہ کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ لگایا تھا جو تحریر و تقریر کے ذریعے ملک بھر میں ردّ قادیانیت کی خدمات انجام دے رہی تھی۔ اس جماعت میں حضرت والد صاحبؒ حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنیؒ اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ اور آپ کے ان تلامذہ نے اس سلسلے میں کیا کارنامے انجام

دیئے؟ اس کی تفصیل آپ کو البلاغ نمبر میں برادر مکرم جناب مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی کے مقالے میں ملے گی۔ یہاں اس سلسلے کے چند واقعات ذکر کرنے ہیں۔

حضرت والد صاحبؒ نے بارہا سنایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی مساعی جمیلہ کے نتیجے میں ہر سال قادیان میں مسلمانوں کا ایک جلسہ ہونے لگا تھا۔ ایک مرتبہ ہم حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ اس جلسے میں شرکت کے لئے گئے ہوئے تھے ایک روز وہیں نماز فجر کے بعد حضرتؒ کو دیکھا کہ مغموم بیٹھے ہیں۔ احقر نے مزاج دریافت کیا تو فرمایا کہ طبیعت تو ٹھیک ہے لیکن آج کل ہر وقت دل و دماغ پر یہ فکر مسلط ہے کہ ہم لوگ اپنے دروس اور تقریر و تحریر میں حنفیت کی ترجیح پر زور دینے میں لگے رہے اور قادیانیت اور الحاد و بے دینی کے یہ فتنے کہاں سے کہاں پہنچ گئے؟ حالانکہ حنفیت اور شافعیت کا اختلاف تو زیادہ سے زیادہ راجح و مرجوح کا اختلاف ہے۔ جس کا فیصلہ حشر میں بھی نہیں ہو گا۔ اور ان فتنوں سے دین و ایمان پر ضرب لگ رہی ہے اس بناء پر مغموم بیٹھا ہوں۔" [1]

---

[1] حضرت والد صاحبؒ نے یہ واقعہ اپنی ایک تقریر میں ذکر فرمایا تھا جو "وحدت امت" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے صفحہ ۱۸ تا ۲۰ پر اسکی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ اور تقریباً یہی مضمون حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہم نے بھی "حیات انور" میں صفحہ ۱۴۱ تا ۱۴۳ پر ذکر فرمایا ہے

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بات جس مومنانہ جذبے کے ساتھ فرمائی تھی وہ بالکل واضح ہے۔ لیکن افسوس اور افسوس کے ساتھ حیرت ہے کہ بعض حضرات نے اس جذبے کی قدر کرنے کے بجائے اسے انہی متعصب اور فرقہ وارانہ مباحث کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ جن کے خلاف یہ بات کہی گئی تھی۔ حد یہ ہے کہ بعض حضرات نے اسے یہ معنے پہنائے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے آخر میں حنفی مسلک سے رجوع کر لیا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حالانکہ حضرت شاہ صاحبؒ کا منشا بالکل واضح ہے کہ جب تک امت کو کھلے کفر و الحاد کا سامنا ہو تو اس وقت زیادہ توجہ اس کے دفعیہ کی طرف کرنی چاہئے اور فروعی اختلافات کو بحث و مناظرہ کا موضوع بنا کر اپنے بیشتر اوقات اس میں صرف کرنا صحیح طرز عمل نہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے حنفیت سے رجوع فرما لیا تھا یا وہ درس و افتاء کے حلقوں میں بھی عملی طور پر حنفی مسلک کی تائید سے دستبردار ہو گئے حضرت شاہ صاحبؒ پر ان کے اس قابل قدر جذبے پر اور حق و انصاف پر کا قابل برداشت ظلم ہے۔ (م ت ع)

۱۲۔ مقدمہ بہاول پور: وہ پہلا مقدمہ تھا جس میں قادیانیوں کو عدالتی سطح پر غیر مسلم قرار دیا گیا۔ چنانچہ اس مقدمے کا فیصلہ اپنے حق میں کرانے کے لئے قادیانیوں نے اپنا سارا زور صرف کر دیا تھا۔

ادھر جب حضرت شاہ صاحبؒ کو اس کی اطلاع ہوئی کہ ایسا مقدمہ زیر سماعت ہے تو آپ نے بہ نفس نفیس وہاں تشریف لے جانے کا ارادہ فرمالیا۔ اور اس غرض کے لئے آپ نے جو رفقاء منتخب فرمائے ان میں حضرت والد صاحبؒ بھی شامل تھے۔ اتفاق سے ان دنوں حضرت والد صاحبؒ اپنے والد ماجد (حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب) کی علالت کی وجہ سے ذہنی طور پر مشوش اور فکر مند تھے۔ لیکن جب حضرت شاہ صاحبؒ نے بہاول پور جانے کے لئے فرمایا تو تیار ہو گئے۔ لیکن قیام بہاول پور کے زمانے ہی میں اچانک والد صاحبؒ کے پاس دیوبند سے تار آیا کہ "آپ کے والد کی طبیعت زیادہ خراب ہے جلدی واپس آجائیں۔"

حضرت والد صاحبؒ یہ تار حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس لے گئے۔ حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت میں سخت تردد کی حالت میں تھا۔ ایک طرف والد ماجدؒ کی صحت کی طرف سے سخت پریشانی تھی، اور اس تار کا تقاضا یہ تھا کہ ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر واپس چلا جاؤں۔

دوسری طرف ایسے اہم کام میں حضرت شاہ صاحبؒ کی رفاقت کی جو سعادت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی اسے چھوڑتے ہوئے دل کٹ رہا تھا۔ اور خیال یہی تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ اس تار کو دیکھ کر واپسی کی اجازت دے دیں گے۔ کیونکہ ہمارے اکابر عام طور سے ان باتوں کی بہت رعایت فرماتے ہیں۔ لیکن اس روز حضرت شاہ صاحبؒ کی کرامت ظاہر ہوئی۔ حضرتؒ نے تار کا مضمون سننے کے بعد بڑے اعتماد کے ساتھ فرمایا۔

"ہم آپ کے والد صاحبؒ کے لئے دعا کریں گے، انشاء اللہ وہ تندرست ہو جائیں گے، آپ بے فکر ہو کر یہاں اپنا کام کریں۔"

حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی زبان سے یہ جملہ سن کر میرے دل میں ٹھنڈک پڑ گئی۔ اور ساری تشویش اور پریشانی کافور ہو گئی۔ پھر حضرتؒ نے خود

والد صاحبؒ کے نام اس مضمون کا تار روانہ کیا کہ۔

"مولوی محمد شفیع صاحب کی یہاں ضرورت ہے میں نے انہیں
روک لیا ہے ہم سب آپ کی صحت کے لئے دعا کر رہے ہیں۔"

اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے والد صاحب کی طبیعت بھی بہتر ہو گئی۔

۱۳۔ اسی مقدمہ بہاول پور میں حضرت شاہ صاحبؒ کا جو بیان ہوا اس میں آپ نے علوم و معارف کے دریا بہا دیئے۔ حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس بیان کے دوران حاضرین پر تو سکتہ طاری تھا ہی، جج صاحب کی کیفیت بھی یہ تھی کہ وہ عالم حیرت میں حضرت کے چہرے کو تک رہے تھے۔ عدالت کی طرف سے بیان قلم بند کرنے والے لوگوں نے کچھ دیر تو حضرتؒ کا ساتھ دیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد جب حضرت شاہ صاحبؒ اپنے اصلی رنگ پر آئے تو انہوں نے بھی قلم رکھ کر چہرے کو تکنا شروع کر دیا۔ بیان ہونے کے بعد جج صاحب نے کہا کہ بیان چونکہ قلم بند نہیں ہو سکا، اس لئے کل یہ بیان تحریری طور پر پیش کیا جائے۔

عدالت سے واپس ہونے کے بعد قیام گاہ پر یہ مسئلہ حضرت شاہ صاحبؒ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ اور دوسرے بزرگوں کے سامنے آیا۔ سوال یہ تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف سے یہ بیان کون لکھے؟

بالآخر قرعہ فال حضرت والد صاحب کے نام نکلا۔ خود حضرت شاہ صاحبؒ نے آپ کو مامور فرمایا کہ بیان آپ لکھئے۔ حضرت والد صاحبؒ نے جواب میں عرض کیا کہ۔

"حضرت! آپ کی طرف سے آپ کے شایان شان بیان لکھنا تو
میرے بس کا نہیں، البتہ ضرورت پوری کرنے کے لئے تعمیل حکم کروں
گا۔"

حضرتؒ نے فرمایا کہ "ہم دعا کریں گے۔ آپ اللہ کا نام لے کر شروع کر دیجئے۔"

حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دن میں تو لکھنے کا موقع نہ ملا۔ رات کے وقت میں اپنے کمرے میں لکھنے کے لئے بیٹھا۔ اور ساری رات یہ بیان لکھتا رہا۔ فجر کی اذان ہو رہی تھی تو میں آخری سطور لکھ رہا تھا۔ عین اسی وقت برابر سے حضرت شاہ صاحبؒ کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ آپ اندر تشریف لائے اور پوچھا کہ "کام کہاں تک پہنچا ہے؟"

احقر نے جواباً عرض کیا کہ "بحمد اللہ ابھی ابھی پورا ہو گیا ہے۔" اور جب حضرتؒ نے بیان دیکھا۔ اور آپ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے لئے میں تمام رات جاگتا رہا ہوں' تو حضرتؒ نے صمیم قلب سے اتنی دعائیں دیں کہ ان کی حلاوت آج تک محسوس ہوتی ہے اور یہی دعائیں میرا سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔ [1]

۱۴۔ حضرت والد صاحبؒ نے بارہا یہ واقعہ سنایا کہ (غالباً فتنہ قادیانیت ہی کے سلسلے میں) حضرت شاہ صاحبؒ لاہور تشریف لائے۔ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ بھی ہمراہ تھے۔ اور میں بھی ساتھ تھا۔ اس زمانے میں مہر اور سالک (مرحوم) پنجاب کے مشہور صحافی اور

---

[1] اس مقدس واقعے کے ساتھ اپنے کسی قصے کا ذکر کرنا مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگانے اور "خاک" اور "عالم پاک" میں رشتہ جوڑنے کے مرادف ہے' لیکن "بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است" کے پیش نظر عرض ہے کہ۔

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں جس کی قیادت شاہ صاحبؒ کے شاگرد رشید محدث عصر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری قدس سرہ کر رہے تھے۔ جب یہ مسئلہ قومی اسمبلی میں پیش ہوا اور مرزا ناصر وغیرہ نے اپنے بیانات داخل کئے تو اسی قسم کے ایک بیان کی ترتیب کے لئے حضرت بنوری قدس سرہ نے احقر کو راولپنڈی بلایا۔ اس وقت حضرت والد صاحبؒ علالت کی بنا پر صاحب فراش تھے۔ اور عموماً ہمارے لئے سفر کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ لیکن اس کام کے لئے انہوں نے نہایت خوشی کے ساتھ اجازت دی۔ احقر چند گھنٹوں میں راولپنڈی پہنچا۔ اور حضرت بنوری قدس سرہ کے زیر ہدایت کام شروع کیا۔ بیان کا ایک حصہ احقر کو اور دوسرا حصہ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کو مرتب کرنا تھا۔ وقت چونکہ بہت کم تھا اور بیان مفصل تیار کرنا تھا۔ اس لئے اس ایک ہفتے میں ہم لوگ دن رات کام میں لگے رہے اور اتفاق سے ایک رات میں پل بھر کے لئے نہیں سویا۔ حضرت بنوری قدس سرہ کو اس کا علم ہوا تو احقر کو بہت دعائیں دیں۔ اور اگلے روز حضرت والد صاحبؒ کو فون کر کے فرمایا کہ "حضرت! مقدمہ بہاولپور کی یاد تازہ ہو رہی ہے حضرت شاہ صاحبؒ نے آپ کو بلایا تھا اور میں نے تقی میاں کو بلایا ہے آپ ایک رات بیان کی ترتیب میں جاگتے رہے تھے' آج رات یہ بھی مطلق نہیں سوئے۔" اس صوری مشابہت پر میں اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کروں' کم ہے۔ اللہ تعالےٰ ان بزرگوں کی برکت سے اس مشابہت کو حقیقی بنادے اور اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ (م' ت' ع)۔

اہل قلم مانے جاتے تھے۔ ان حضرات نے حضرت شاہ صاحبؒ اور علامہ عثمانیؒ کی تشریف آوری پر اخبارات میں یہ سرخی لگائی کہ "لاہور میں علم و عرفان کی بارش" اور پھر ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔

اثناء گفتگو میں سود کا مسئلہ چل نکلا۔ مولانا سالک مرحوم نے حضرت علامہ عثمانیؒ سے یہ سوال کیا کہ موجودہ بنک انٹرسٹ کو سود قرار دینے کی کیا وجہ ہے؟

علامہ عثمانی ؒ نے ان کو جواب دیا مگر انہوں نے پھر کوئی سوال کرلیا۔ اس طرح سوال جواب کا یہ سلسلہ کچھ دراز ہوگیا۔ علامہ عثمانی قدس سرہ ہربار مفصل جواب دیتے مگر وہ پھر کوئی اعتراض کردیتے۔ وہ اپنی گفتگو میں ان لوگوں کی وکالت کررہے تھے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ اگر بنکوں کے سود کو علماء جائز قرار دیدیں تو مسلمانوں کے حق میں شاید مفید ہو۔

حضرت شاہ صاحبؒ مجلس میں تشریف فرما تھے۔ حضرتؒ کی عادت چونکہ یہ تھی کہ شدید ضرورت کے بغیر نہیں بولتے تھے۔ نہ اپنا علم جتانے کا معمول تھا۔ اس لئے علامہ عثمانیؒ کی گفتگو کو کافی سمجھ کر خاموش بیٹھے تھے۔ لیکن جب یہ بحث لمبی ہونے لگی تو حضرتؒ نے مداخلت کی اور بے تکلفی سے فرمایا۔

> "دیکھو بھائی سالک! تم ہو سالک، میں ہوں مجذوب، میری بات کا برا نہ ماننا۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا جہنم بہت وسیع ہے، اگر کسی شخص کا وہاں جانے کا ارادہ ہو تو اس میں کوئی تنگی نہیں ہے۔ ہم اس کو روکنے والے کون ہیں؟ ہاں البتہ اگر کوئی شخص ہماری گردن پر پاؤں رکھ کر جہنم میں جانا چاہے گا تو ہم اس کی ٹانگ پکڑلیں گے۔"

۱۵۔ قادیانیت کے موضوع پر حضرت شاہ صاحبؒ کے حکم سے حضرت والد صاحبؒ نے کئی کتابیں عربی اور اردو میں تحریر فرمائی ہیں۔ جن کی تفصیل حضرت مولانا محمد اشرف خان صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی کے مضامین میں دیکھی جاسکتی ہے۔ انہی میں سے ایک عربی تالیف التصریح بما تواتر فی نزول المسیح بھی ہے۔ اس کتاب کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ ان متواتر المعنی احادیث کا ایک مجموعہ تیار فرمانا چاہتے تھے۔ جن سے نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ اس غرض کے لئے حضرتؒ نے ابتدائی مواد بھی جمع فرمالیا تھا۔ اور اس کی یادداشتیں آپ کے پاس محفوظ تھیں۔ لیکن مصروفیات کی

بناء پر انہیں مرتب کرکے کتابی شکل دینے کی نوبت نہ آئی تھی۔ بالآخر آپ نے یہ یادداشتیں حضرت والد صاحبؒ کو عنایت فرمائیں۔ اور حکم دیا کہ ان کی بنیاد پر ایک کتاب عربی زبان میں لکھ دیں۔ حضرت والد صاحبؒ نے انتہائی تن دہی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل فرمائی۔ اور دن رات لگ کر چند ہی دنوں میں یہ کتاب تیار فرمادی۔

حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب اس کتاب کی تالیف کے دوران میں کتب خانے سے کتابوں کے انبار اٹھا اٹھا کر اپنی جگہ لایا کرتا اور حضرت شاہ صاحب کے کمرے کے سامنے سے گزرتا تو حضرت بہت مسرور ہوا کرتے تھے۔ بالآخر جب میں کتاب مکمل کرکے اس کا مسودہ حضرتؒ کی خدمت میں لے گیا تو بہت دعائیں دیں اور حاضرین مجلس سے فرمایا۔

"دیکھو بھائی محنت تو ہم کرتے ہیں اور ثواب یہ صاحب لے اڑتا ہے۔"

۱۶۔ حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرتؒ کی مادری زبان اگرچہ اردو نہ تھی لیکن اردو زبان کے محاورے بڑے بر محل استعمال فرماتے تھے۔ اور درس میں منتخب اردو اشعار سناتے رہتے تھے۔ اور جب کوئی ادب یا بلاغت کا مسئلہ بیان ہوتا تو فرماتے کہ "یہ معاملہ ہے ذوق کا' اور ذوق مرگیا دلّی میں۔"

ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک ہندو شاعر نے بڑے سہل ممتنع انداز میں حضرت علیؓ کے زمانے کے مشاجرات کا سبب نظم میں بیان کیا ہے۔

اک روز مرتضیٰؓ سے کسی نے یہ عرض کی
اے نائب رسول امینؐ ! دام ظلکم
ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانے میں چین تھا
عثمانؓ کے بھی عہد میں لبریز تھا یہ خم
کیوں آپ ہی کے عہد میں جھگڑے یہ پڑگئے
اپنی تو عقل ہوگئی اس مسئلے میں گم
کہنے لگے یہ بات کوئی پوچھنے کی ہے
ان کے مشیر ہم تھے ہمارے مشیر تم [1]

---

[1] حضرت علی کا یہ جواب احقر نے مقدمہ ابن خلدونؒ میں کسی جگہ دیکھا تھا مگر پھر سرسری تلاش سے ملا نہیں۔ (م۔ت۔ع)

۱۷۔ ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ نے واقعہ سنایا کہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کا ایک ہندو منشی تھا۔ جس نے کسی وقت لالچ میں آکر غبن کا ارتکاب کیا۔ بادشاہ نے اس کی سزا میں اس کی آنکھیں نکلوادیں۔ اس موقع پر اس ہندو منشی نے جو فارسی قطعہ کہا ہے وہ ادبی شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ قطعہ یہ ہے۔

بسیار گفتم نفس دنی را ناکردہ باید ناکردنی را
نشنید از من ایں نفس کافر نادید آخر نادیدنی را

۱۸۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے حوالے سے والد صاحبؒ کا سنایا ہوا ایک اور غزل کا شعر یاد آگیا۔

راستی فتنہ انگیز است سرو قد دوست
ہستی ماجز دروغ مصلحت آمیز نیست

۱۹۔ حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے فیض صحبت کی بنا پر ہم لوگوں کو بھی مطالعہ کتب کی ایک دھن سی لگ گئی تھی۔ فراغت کے بعد تقریباً ایک سال تو میں نے اس طرح گذارا کہ چند اسباق پڑھانے کے بعد کتب بینی کے سوا کوئی کام نہیں تھا۔ دوپہر کو دارالعلوم دیوبند کے کتب خانے میں داخل ہوتا' ناظم کتب خانہ بعض اوقات باہر سے تالا لگا کر چلے جاتے اور میں اندر کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا تھا۔

۲۰۔ محدث عصر حضرت مولانا علامہ سید محمد یوسف بنوری صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ حضرت شاہ صاحبؒ کے ان شاگردوں میں سے ہیں جن سے حضرت ہمیشہ خوش رہے۔ اور کبھی کوئی تکدّر کا شائبہ پیدا نہیں ہوا۔ حالانکہ دارالعلوم دیوبند میں ایک فتنہ ایسا اٹھا تھا جس میں دارالعلوم کے اساتذہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ اور بالآخر یہ ہنگامہ حضرت شاہ صاحبؒ کے استعفیٰ پر منتج ہوا۔ اس دوران حضرت مفتی صاحبؒ حضرت شاہ صاحبؒ کے بجائے حضرت تھانویؒ حضرت میاں صاحبؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کے ساتھ تھے۔ لیکن رائے کے اس اختلاف کے باوجود حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس مفتی صاحبؒ کی نیاز مندانہ آمد و رفت جاری رہی۔ حضرت شاہ صاحبؒ بھی نہایت محبت و شفقت سے پیش آتے رہے۔

حضرت مولانا بنوری قدس سرہ نے فرمایا کہ مجھے خوب یاد ہے کہ اس دور میں ایک

مرتبہ حضرت مفتی صاحبؒ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں ایک ہدیہ لے کر حاضر ہوئے اور حضرت شاہ صاحبؒ نے اسے بڑی شفقت کے ساتھ قبول فرمایا۔

۲۱۔ حضرت والد صاحبؒ نے بارہا سنایا کہ دارالعلوم کے اساتذہ و طلبہ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی سرپرستی میں عربی نظم و نثر کی مشق کے لئے ایک "نادیہ الادب" قائم کی تھی۔ ہر جمعرات کو اس کا جلسہ ہوتا، جس کی صدارت شاہ صاحبؒ فرماتے تھے۔ اور طریق کار یہ تھا کہ ہر ہفتہ ایک مصرعہ طرح دے دیا جاتا تھا اور اساتذہ و طلبہ کو اس پر قصائد کہنے کی دعوت دی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ مصرعہ طرح یہ تھا کہ ع

تعزفان الصبر بالحر اجمل

اتفاق سے اس ہفتے مجھے شعر کہنے کا موقع نہ ملا۔ اور وقت پر میں نے عجلت میں صرف سات، آٹھ شعر کہے جن میں سے چند اشعار یہ ہیں۔

ترحل عنی الصبر یوم ترحلوا | قبت بقلب فی الحشا یتململ
یقول نصیحی فی هواه توجعا | تعزفان البصر بالحر اجمل
یصبرنی ؟ والصبر عن شکیتی | وما غالنی فی الحب الا التجمل
بکینا فابکینا ولا مثل ناقف | لحنظلة فی الحی یوم تحملوا[1]

لیکن چونکہ اس غزل کے اشعار کم تھے۔ اس لئے میں نے مقطع میں معذرت کی کہ۔

اتیت به فی ضیق الوقت مسرعا
فدونک عذری المعاذیر تقبل

---

[1] یہ امرؤ القیس کے مشہور شعر پر تعریض ہے۔ جس میں اس نے کہا ہے کہ۔

کانی غداة البین یوم تحملوا | لدی سمرات الحی ناقف حنظل

عجلت میں کہے گئے ان شعروں ہی سے آپ حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی قدرت کلام کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ خاص طور سے ان اشعار میں سے تیسرا شعر تو ایسا ہے کہ اہل زبان بھی مشکل ہی سے ایسا شعر کہہ سکتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ان اشعار پر بہت داد دی۔ اور آخری شعر پر فرمایا۔

قد قبلنا عذرك یا شیخ السروج

"شیخ سروجؔ[1]! ہم نے آپ کا عذر قبول کیا۔"

۴۔ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب قدس سرہ

حضرت والد صاحبؒ کی تربیت میں جن بزرگوں نے حصہ لیا ان میں حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب قدس سرہ کا اسم گرامی بھی سر فہرست ہے۔ آپ دیوبند میں "حضرت میاں صاحب" کے لقب سے معروف تھے۔ اور ہمارے دادا حضرت مولانا محمد یاسین صاحب قدس سرہ جو حضرت میاں صاحب کے استاذ تھے فرمایا کرتے تھے کہ وہ مادر زاد ولی ہیں۔ بچپن میں بھی انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ بچے درس گاہ میں طرح طرح کی شرارتیں کرتے۔ لیکن میاں صاحبؒ ان سے الگ رہتے اور کبھی کوئی غلطی ہو جاتی تو کسی تاویل یا انکار کے بجائے صاف لفظوں میں اعتراف کر لیتے تھے۔

حضرت میاں صاحبؒ حضرت والد صاحبؒ کے استاذ بھی تھے۔ پھر کتب خانہ دار الاشاعت میں دونوں شریک تجارت بھی رہے۔ اور بچپن سے لے کر بڑھاپے تک حضرت میاں صاحبؒ حضرت والد صاحبؒ کے اہم گھریلو معاملات میں بھی دخیل رہے۔ اس لئے حضرت والد صاحبؒ ان کے ایسے عجیب و غریب واقعات سنایا کرتے تھے کہ جن کی نظیر اس دور میں ملنی مشکل ہے اور جن کا جاننے والا بھی شاید حضرت والد صاحبؒ کے سوا کوئی نہ ہو۔

---

[1] اشارہ ہے ابو زید سروجی کی طرف جو مقامات حریری کا مرکزی کردار ہے۔ اور نظم و نثر دونوں پر اس کو جو قدرت کلام حاصل تھی۔ خاص طور پر بدیہہ گوئی میں اسے جو ملکہ تھا۔ اس کی وجہ سے وہ ادب و بلاغت میں ضرب المثل ہے۔

ایک مرتبہ احقر نے اپنے مرحوم بڑے بھائی مولانا زکی کیفی صاحب سے درخواست کی تھی کہ حضرت میاں صاحبؒ پر ایک مضمون تحریر فرمادیں جو اسی قسم کے واقعات پر مشتمل ہو۔ چنانچہ بھائی جان مرحوم نے ایک مضمون تحریر فرمایا تھا جو ماہنامہ "البلاغ" ربیع الاول ۱۳۸۷ھ کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ ذیل میں پہلے اسی مضمون کے کچھ اقتباسات پیش کرتا ہوں اس کے بعد چند وہ اہم واقعات عرض کروں گا جو اس مضمون میں نہیں آسکے۔

ا۔ بھائی جان مرحوم لکھتے ہیں۔

ایک روز والد صاحب مدظلہم (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ) اور یہ ناکارہ بعد مغرب در دولت پر حاضر ہوئے۔ فرمانے لگے 'آم چوسو گے؟ والد صاحب نے عرض کیا کہ آم اور پھر حضرت کے عطا فرمودہ 'نور علی نور' ضرور عطا ہوں۔ میاں صاحب اٹھے۔ ایک ٹوکری میں آم لاکر رکھے۔ اور ایک خالی ٹوکری گٹھلی اور چھلکوں کے لئے سامنے لاکر رکھ دی۔ ہم آم چوس کر فارغ ہوئے تو والد صاحب گٹھلی اور چھلکوں سے بھری ہوئی ٹوکری اٹھاکر باہر پھینکنے کے لئے چلے۔ پوچھا یہ ٹوکری کہاں لے کر چلے؟ عرض کیا چھلکے باہر پھینکنے کے لئے جارہا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ پھینکنے آتے ہیں یا نہیں؟ والد صاحب نے فرمایا کہ حضرت! یہ چھلکے پھینکنا کون سا خصوصی فن ہے۔ جس کو سیکھنا ضروری ہے؟

فرمایا ہاں! تم اس فن سے واقف نہیں 'لاؤ مجھے دو' خود ٹوکری اٹھاکر پہلے گٹھلی چھلکوں سے علیحدہ کی اس کے بعد باہر تشریف لائے اور سڑک کے کنارے تھوڑے تھوڑے فاصلے کے ساتھ متعین جگہوں پر چھلکے رکھ دیئے۔ اور ایک خاص جگہ گٹھلیاں ڈال دیں۔

والد صاحب کے استفسار پر ارشاد ہوا کہ ہمارے مکان کے قرب وجوار میں تمام غرباء و مساکین رہتے ہیں۔ زیادہ تر وہی لوگ ہیں جن کو نان جویں بھی بمشکل ہی میسر آتی ہے اگر وہ پھلوں کے یکجائی چھلکے دیکھیں گے تو ان کو اپنی غریبی کا شدت سے احساس ہوگا۔ اور بے مائیگی کی وجہ سے حسرت ہوگی۔ اور اس ایذا دہی کا باعث میں بنوں گا۔ اس لئے متفرق کرکے ڈالتا ہوں اور وہ بھی ایسے مقامات پر جہاں جانوروں کے گلے گزرتے ہیں یہ چھلکے ان کے کام آجاتے ہیں۔ اور گٹھلیاں ایسی جگہ رکھی ہیں جہاں بچے کھیلتے کودتے ہیں بچے ان کو بھون کر کھالیتے ہیں۔ یہ چھلکے اور گٹھلیاں بھی بہرحال ایک نعمت ہے ان کو بھی ضائع کرنا مناسب

نہیں۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنے کی ہے کہ میاں صاحبؒ خود تو شاید ہی کوئی آم چکھ لیتے ہوں عموماً مہمانوں ہی کے لئے ہوتے تھے اور محلے کے غریب بچوں کو بلا بلا کر کھلانے میں استعمال ہوتے تھے اس کے باوجود چھلکے اور گٹھلیوں کو یکجا ڈھیر کر دینے سے گریز فرماتے تھے کہ غریبوں کی حسرت کا سبب نہ بن جائیں۔ بعض فقہاء نے بازار کے کھانے سے اس لئے پرہیز فرمایا ہے کہ ان پر غریبوں کی نظریں پڑتی ہیں اور ناداری کے سبب وہ ان کی حسرت کا سبب بنتی ہے۔

دیکھئے ان اللہ والوں کی نظر دنیا کے کاموں میں کیسی دقیق ہوتی ہے۔ اور ہر چیز کا حق کس کس طرح ادا کرتے ہیں۔

۲۔ حضرت میاں صاحبؒ کے لئے جو کھانا گھر سے آتا تھا خود تو بہت کم خوراک لیتے تھے باقی کھانا محلے کے بچوں کو بلا کر کھلاتے تھے۔ جو بوٹی بچ جاتی اس کو بلی کے لئے دیوار پر رکھ دیتے تھے اور جو ٹکڑے بچ جاتے اس کو چھوٹا چھوٹا کر کے چڑیوں کے لئے اور دسترخوان کے ریزوں کو بھی ایسی جگہ جھاڑتے تھے جہاں چیونٹیوں کا بل ہے۔ حق تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر پہچاننا ان کو ٹھکانے لگانا انہیں صاحب بصیرت بزرگوں کا حصہ تھا۔ آج تو ہر گھر میں بچا ہوا کھانا سڑتا ہے اور نالیوں میں جاتا ہے۔ جس کا اگر اہتمام کیا جاتا تو بہت سے غریبوں کا پیٹ بھرتا۔

۳۔ اعزاء و اقرباء احباب، اہل محلہ کے حقوق و جذبات کی جس قدر رعایت کرتے ہوئے اس مرد باخدا کو دیکھا اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ میاں صاحبؒ کا اکثر مکان کچا تھا۔ جس پر ہر سال گچ ہونا ضروری تھی۔ اگر نہ کی جاتی مکان منہدم ہونے کا خطرہ تھا۔ ہر سال برسات سے پہلے اس پر گچ کرانے کا معمول تھا اور اس وقت گھر کا سارا سامان باہر نکالنا پڑتا تھا۔ ایسے ہی ایک موقع پر والد صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت! ہر سال آپ کو یہ تکلیف ہوتی ہے۔ اور ہر سال کا خرچ بھی جو اس پر ہوتا ہے وہ جوڑا جائے تو پانچ سات سال میں اتنا ہو جائے گا کہ اس سے پختہ اینٹوں کا مکان بن جائے۔

اخلاق کریمانہ سے کسی کی بات کاٹنے کا وہاں دستور ہی نہ تھا۔ بڑی دل داری اور حوصلہ افزائی کے ساتھ فرمایا۔ ماشاء اللہ آپ نے کیسی عقل کی بات فرمائی۔ میرا بھی اندازہ

یہی ہے۔ پانچ سال میں جتنا خرچ اس پر ہو جاتا ہے اتنے خرچ سے پختہ مکان بنا کر اس غم سے نجات ہو سکتی ہے۔ ہم بڈھے ہو گئے اتنی عقل نہ آئی کہ ایک دفعہ ایسا کر لیتے۔ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ اس کی جو اصل حقیقت تھی اس کا اظہار اس طرح فرمایا کہ۔

میرے پڑوس میں جتنے مکان ہیں سب غریبوں کے ہیں اور کچے ہیں۔ ایسی حالت میں میاں صاحب کیا اچھا لگتا کہ اپنا مکان پختہ بنا کر بیٹھ جاتا' پڑوسیوں کو حسرت ہوتی۔

اس وقت یہ راز کھلا کہ یہ حضرت کس مقام بلند پر ہیں۔ ان کے اعمال و افعال کا اندازہ لگانا دشوار ہے کہ ان میں کیسے کیسے اسرار پوشیدہ ہیں۔ پڑوسیوں اور غریبوں کی رعایت ان کی خدمت جو حضرت میاں صاحبؒ کی فطرت بنی ہوئی تھی دوسروں کا اس کی طرف دھیان جانا بھی آسان نہ تھا۔

در دنیا بد حال پختہ ہیچ خام
بس سخن کوتاہ باید و السلام

میں نے دیکھا کہ اس کے بعد بھی ہمیشہ سالانہ یہ تکلیف برداشت کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں کے پڑوسیوں نے اپنے مکانات پختہ بنائے تب حضرت میاں صاحبؒ نے بھی اپنے مکان کو پختہ بنوایا۔

یہ حضرت ہیں جن کو سلف کا نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں گھی گراں ہو گیا۔ تو حضرت امیرالمومنین سیدنا فاروق اعظمؓ نے گھی کھانا ترک کر دیا۔ اور فرمایا میں اس وقت گھی کھاؤں گا جب مدینہ کے عوام گھی کھانے لگیں۔

یہ واقعہ تاریخ میں پڑھا اور سنا تھا مگر ایثار' ہمدردی اور اخوت کے اس مقام بلند کی جیتی جاگتی تصویر حضرت میاں صاحبؒ ہی کی زندگی میں نظر آئی۔

۴۔ ایک مشہور عالم دین بزرگ سے بعض سیاسی مسائل میں حضرت میاں صاحبؒ کو شدید اختلاف تھا جس کا اظہار ہمیشہ برملا فرماتے رہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی شان میں اگر کسی سے کبھی کوئی نامناسب کلمہ نکل بھی جاتا تو بڑی سختی کے ساتھ متنبہ فرماتے۔ اختلاف بھی' "اختلاف امتی رحمتہ" کی تشریح پر تھا۔ اختلاف کی حدود سے سرمو تجاوز ان کی فطرت ہی نہیں تھی۔

انہی مختلف الخیال بزرگ نے ایک دفعہ امساک باراں کی شدت دیکھ کر نماز استسقاء پڑھنے کا اعلان کیا۔ میاں صاحبؒ کو غالباً کشف کے ذریعہ معلوم ہو چکا تھا کہ ان ایام میں بارش نہیں ہوگی۔ لیکن اس کے باوجود والد صاحبؒ سے فرمایا کہ میاں بارش تو ہونی نہیں' البتہ نماز کا ثواب حاصل کرنے کے لئے چلنا ضروری ہے۔

چنانچہ والد صاحب نے انکی معیت میں نماز استسقاء ادا کی۔ بارش کو نہ ہونا تھا نہ ہوئی۔ ان بزرگ نے دوسرے روز کے لئے بھی نماز کا اعلان فرمادیا۔ تو اس دن بھی وہی پہلے دن والی بات فرماکر نماز ادا کرنے پہنچ گئے۔ اور بغیر بارش ہوئے واپس آگئے۔ تیسرے روز کے لئے پھر نماز کا اعلان ہوا تو میاں صاحب تیسرے دن بھی نماز کے لئے میدان میں پہنچ گئے۔ اور خود ان بزرگ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو آج نماز میں پڑھادوں۔

ہر شخص حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ میاں صاحبؒ تو کبھی پنج وقتہ نماز لوگوں کے اصرار پر بھی نہیں پڑھاتے آج انہوں نے خود نماز پڑھانے کی پیش کش کیسے کی؟

بہر کیف نماز استسقاء میاں صاحب کی امامت میں شروع ہوئی۔ میاں صاحب کے عقیدت مندوں کے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ آج بارش ضرور ہو جائے گی۔ شاید میاں صاحب نے کشف کے ذریعہ معلوم کرکے یہ تبدیلی کی ہوگی لیکن آج بھی دھوپ اسی شدت کے ساتھ چمکتی رہی اور بادل کا دور دور بھی نام و نشان نہیں تھا۔ مجبور ہو کر پورا مجمع شکستہ دل اور مغموم واپس ہوا۔

والد صاحب نے اس خلاف عادت عمل پر استفسار کیا کہ آپ تو کبھی نماز پنج گانہ میں بھی امامت نہیں فرماتے آج یہ کیا ماجرا تھا؟

تو فرمایا کہ میرا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ جو عالم دین دو روز سے نماز پڑھا رہے ہیں لوگوں کو ان پر بدگمانی نہ ہو' میں بھی اس میں شریک ہو جاؤں۔ کیوں کہ مجھے اندازہ تھا کہ بارش اس وقت ہونا مقدر میں نہیں۔ کسی عالم یا مقدس ہستی کا اس میں کیا قصور ہے۔ اب اگر بدنامی ہونی ہے تو تنہا ایک عالم کی نہ ہو۔

۵۔ حضرت میاں صاحبؒ کو روز مرہ کے واقعات سے عبرت آموزی کا خاص اندازہ تھا۔ آنے والے ہر واقعہ سے کوئی عبرت و نصیحت حاصل کرتے تھے۔ آپ کا مکان دار العلوم سے کافی فاصلہ پر محلہ قلعہ میں ہے۔ شہر سے باہر باہر آنے کا دستور تھا' راستہ میں کچھ جنگل

بھی پڑتا تھا۔

دارالعلوم میں تشریف لانے کے بعد معمول یہ تھا کہ ایک کمرہ جس میں حضرت موصوف کی تصانیف کی اشاعت کا سلسلہ بھی تھا "دارا لتدریس والاشاعت" کے نام سے موسوم تھا۔ میرے والد ماجد مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ بھی درس سے فارغ اوقات میں یہاں بیٹھتے تھے۔ اور حضرت میاں صاحبؒ بھی سبق پڑھانے سے پہلے اور بعد کچھ دیر یہاں تشریف رکھتے تھے۔

ایک روز مکان سے تشریف لائے تو والد صاحب کو مخاطب کرکے فرمایا کہ آج ہم ایک عجیب تماشا دیکھ کر آئے ہیں۔ والد صاحب اس تماشہ کی حقیقت سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہو گئے۔

فرمایا کہ "محلّہ کوٹلہ سے باہر جنگل میں چند چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بیٹھی ہوئی آپس میں لڑ رہی تھیں ایک دوسرے کو مار رہی تھیں۔ ہم قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ سب مل کر جنگل سے گوبر چن کر لائی ہیں اور ایک جگہ ڈھیر کردیا ہے اب اس کی تقسیم کا مسئلہ زیر نزاع ہے۔ حصّوں کی کمی بیشی پر لڑنے مارنے پر تلی ہوئی ہیں۔ اول نظر میں مجھے ہنسی آئی کہ یہ کس گندی اور ناپاک چیز پر لڑ رہی ہیں۔ ہم ان کی کم عقلی اور بچکانہ ذہنیت پر ہنستے ہوئے ان کی لڑائی بند کرانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ قدرت نے دل میں ڈالا کہ ان کی بے وقوفی پر ہنسنے والے جو دنیا کے مال و اسباب اور جاہ و منصب پر لڑتے ہیں اگر ان کو چشم حقیقت بین نصیب ہو جائے تو وہ یقین کریں گے کہ ان عقلاء زمان اور حکماء وقت کی سب لڑائیاں بھی ان بچیوں کی جنگ سے کچھ زیادہ ممتاز نہیں۔ فناء ہو جانے والی اور چند روز میں اپنے قبضہ سے نکل جانے والی یہ سب چیزیں بھی آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں ایک گوبر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔

حدیث شریف میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مضمون کے لئے ارشاد فرمایا الدنیا جیفۃ وطالبوھا کلاب دنیا ایک مردار جانور ہے اور اس سے جھپٹنے والے کتے ہیں۔ سڑی ہوئی لاش یا چیف

غور کیجئے! اس طرح کے سینکڑوں واقعات سب کی نظروں سے گزرتے ہیں مگر کہاں ہے وہ نظر و فکر جو ان سے عبرت حاصل کرے؟

۶۔ ایک روز والد صاحب حسب معمول مغرب کے بعد حاضر خدمت ہوئے عموماً مغرب سے عشاء تک یہ مجلس رہا کرتی تھی۔ آج خلاف عادت فرمایا کہ آج ہماری گفتگو عربی میں ہوگی۔ سبب پوچھنے کی جرأت تو نہ ہوئی۔ خود ہی گفتگو کی ابتداء عربی میں فرمادی۔ پھر والد صاحب نے جو کچھ کہا عربی ہی میں کہا۔ لیکن طرفین کو عربی میں مکالمہ کی عادت تو تھی نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوچ سوچ کر صرف ضروری باتیں کہی اور سنی گئیں۔ اپنی زبان میں جس بسط و تفصیل سے کلام ہوا کرتا تھا اور ایک منٹ کی بات میں پانچ منٹ خرچ ہوجایا کرتے تھے' اس کا ایسا انسداد ہوا کہ وقت سے پہلے ہی مجلس ختم ہوگئی۔

اس وقت فرمایا کہ زندگی کا ایک ایک منٹ بڑا قیمتی ہے بلکہ بے بہا جواہرات ہیں ان کو فضول کام یا کلام میں صرف کرنا بڑی بے عقلی ہے۔ میں جانتا تھا کہ گفتگو عربی میں کریں گے تو صرف ضروری کلام ہی ہوگا اس لئے یہ کہا تھا۔

اور فرمایا "ہماری مثال اس دولت مند انسان کی سی ہے جس کے خزانے میں بے شمار گنیاں بھری ہوئی ہیں۔ اور وہ بے دریغ خرچ کررہا ہے۔ مگر اسی طرح ایک ایسا وقت آگیا جب خزانہ خالی ہونے کے قریب آیا اور چند گنی چنی گنیاں رہ گئیں تو اب وہ بہت دیکھ بھال کر خرچ کرتا ہے۔ ہاتھ روکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں عمر کے بے شمار جواہرات عطا فرمائے تھے جن کو ہم بے دریغ خرچ کرچکے۔ اب عمر آخر ہے۔ خزانہ خالی ہونے کو ہے اس لئے ایک ایک منٹ دیکھ بھال کر خرچ کرنا چاہئے۔

یہ واقعات تو بھائی جان مرحوم نے اپنے مضمون میں ذکر فرمائے ہیں۔ اب حضرت والد صاحبؒ سے سنے ہوئے چند مزید واقعات پیش خدمت ہیں۔

۷۔ حضرت والد صاحبؒ نے دار العلوم دیوبند میں تدریس کے ساتھ ساتھ ایک چھوٹا سا تجارتی کتب خانہ بھی قائم فرمایا تھا۔ اس میں جہاں کثرت عیال کے ساتھ مدرسہ کی تنخواہ کے ناکافی ہونے کو دخل تھا' وہاں ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اپنے لکھے ہوئے رسائل کی اشاعت آسان ہوجائے۔ لیکن تجارت ایک مستقل فن ہے۔ ابتداء میں حضرت والد صاحبؒ کو اس کا تجربہ نہیں تھا۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دہلی گیا تو وہاں کسی کتب خانے میں ایک نئی حمائل

شریف شائع ہوئی تھی۔ میں اس کے نسخے بڑی تعداد میں خرید کر دیوبند لے آیا خیال یہ تھا کہ نسخے مجھے خاصے کم ہدیہ پر مل گئے ہیں اور تجارتی اعتبار سے یہ میں نے اچھا معاملہ کیا ہے۔ چنانچہ دیوبند پہنچ کر میں نے سب سے پہلے حضرت میاں صاحبؒ سے اس معاملے کا ذکر کیا۔ حضرت میاں صاحبؒ نے سن کر احقر کی بہت تعریف کی اور ساتھ ہی فرمائش کی یہ تمام نسخے کچھ نفع رکھ کر مجھے ہدیہ کردو۔ چنانچہ میں نے حضرت میاں صاحبؒ کے حکم کی تعمیل کی۔ اور تمام نسخے ان کو دے دیئے۔ اور حضرتؒ نے ان کا ہدیہ بھی احقر کو جلد ہی عطا فرمادیا۔

میں مطمئن تھا کہ میں نے بہت اچھا معاملہ کیا ہے جسے حضرت میاں صاحبؒ جیسے پختہ کار بزرگ نے بھی پسند فرمایا ہے۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ لیکن عرصہ دراز کے بعد ایک روز میں حضرت میاں صاحبؒ کے کتب خانے میں پہنچا۔ تو دیکھا کہ اسی حمائل شریف کے تمام نسخے ایک جگہ جوں کے توں رکھے ہیں اور ایسا معلوم ہوا کہ شاید ان میں سے کوئی ایک نسخہ بھی فروخت نہیں ہوا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا اور میں نے حضرت میاں صاحب سے ان کے بارے میں پوچھا تو اس وقت راز کھلا کہ حضرت میاں صاحبؒ کس مقام سے سوچتے ہیں۔

فرمایا کہ "آج آپ کو بتاتا ہوں کہ جو حمائل شریف آپ خرید لائے تھے اس میں اغلاط بہت زیادہ تھیں۔ اور آپ نے اس کے دام بھی زیادہ دے دیئے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ ان کا تجارتی بنیاد پر نکلنا مشکل ہوگا۔ لیکن اگر میں اس وقت آپ سے اس کا ذکر کرتا تو آپ کی ہمت شکنی ہوتی۔ میں نے وہ تمام نسخے اس لئے آپ سے خرید لئے تھے۔"

۸۔ جب احقر کے برادر مرحوم مولانا محمد زکی کیفیؒ نے احقر کی فرمائش پر حضرت میاں صاحبؒ کے بارے میں مضمون لکھا۔ اور وہ البلاغ میں شائع ہونے کے لئے آیا تو حضرت والد صاحبؒ نے اسے پڑھ کر اس پر چند سطریں خود تحریر فرمائیں۔ جو ذیل میں پیش خدمت ہیں۔

> "برخوردار عزیز مولوی محمد زکی سلمہ نے حضرت میاں صاحبؒ کے کچھ حالات و مقالات مجھ سے ہی سنے ہوئے لکھ دیئے۔ اس سے تو خوشی ہوئی کہ انہوں نے ان کلمات کی قدر پہچانی اور یاد رکھا لیکن اس یگانہ روزگار ہستی کے علمی و عملی کمالات اور مخصوص طرز زندگی کی کوئی جھلک بھی ان چند کلمات کے ذریعہ نہیں دیکھی جاسکتی۔

برخوردار نے یہ چند سطور لکھ کر ماضی کی ایک بھولی ہوئی مجلس کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کر کے تڑپا ہی دیا۔ حضرت میاں صاحبؒ کا نورانی چہرہ گویا سامنے آگیا۔ آپ کے کلمات دل نواز کانوں میں گونجنے لگے، کبھی کبھی کے واقعات یاد آنے لگے۔ مگر ان کو ضبط تحریر میں لانے کی طاقت فرصت کہاں سے لاؤں؟ صرف ایک خط کے الفاظ اس وقت بے ساختہ قلب و زبان پر آگئے۔ جو حضرت میاں صاحبؒ کی شگفتہ اور معنی خیز تحریر کا ایک نمونہ ہے، اس جگہ لکھنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

حضرت میاں صاحبؒ نے اپنا تجارتی کتب خانہ آخر میں تھوڑی سی قیمت لگا کر مجھے عطا فرمادیا تھا۔ اور اس کی قیمت بھی بہت کم مقدار کی ماہوار قسطوں میں ادا کرنا طے ہوا تھا۔ آخر عمر میں ایک مرتبہ بطور علاج آپ "کوہ کسولی" پر گئے ہوئے تھے۔ یہ مہینے کی قسط میں نے بذریعہ منی آرڈر وہیں بھیج دی۔ اس کے جواب میں والا نامہ صادر ہوا جس کے یہ کچھ الفاظ یاد ہیں۔

"آپ کا مرسلہ عطیہ احب الاشیاء و ابغضھا وصول ہوا روز روز کے احسانات کا شکریہ کہاں تک؟ بس دعا کرتا ہوں اور آپ سے بھی حیّا و میتاً دعاء کا امیدوار ہوں۔"

دو سطر کا خط ہے۔ مگر ذرا دیکھئے اس میں سموئے ہوئے مضامین! ایک قرض کو قسطوں میں وصول کرنے کا جو احسان مجھ پر فرمایا تھا، اس کو میرا احسان قرار دیتے ہیں۔ اس کا نام تحفہ رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ مال دنیا کی حقیقت اس عربی جملے میں کیسی واضح فرمائی کہ شاید اس سے زیادہ تصور نہیں کی جاسکتی کہ مال ایسی چیز ہے ایک طرف اس کے برابر کوئی چیز محبوب نہیں۔ کیوں کہ وہ ساری محبوب چیزوں کے حصول کا ذریعہ ہے۔ دوسری طرف وہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے برابر دنیا کی کوئی چیز مبغوض نہیں ہوسکتی کہ باپ کو بیٹے سے اور بیٹے کو باپ سے، شوہر کو بیوی سے، بیوی کو شوہر سے لڑادیتی ہے، انسان ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار ہوجاتا ہے۔ آخری جملے میں ہر وقت موت کے استحضار کو واضح کرتے

ہوئے دعا کی ترغیب فرمائی فللہ درہ وعلیہ اجرہ (ماخوذ از ماہنامہ البلاغ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ)

۹۔ حضرت والد صاحبؒ کی کتاب "سیرۃ خاتم الانبیاء" صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت میاں صاحبؒ نے جو تقریظ لکھی ہے اس کے چند جملے درج ذیل ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے نوجوان مدرس و عالم مولوی محمد شفیع صاحب میرے سامنے کے بچے ہیں۔ مگر ان کا علم و فضل مجھے ان کو مولانا محمد شفیع کہنے پر مجبور کرتا ہے ان کی عربی و اردو تصانیف کی تعداد ایسی تیزی سے بڑھ رہی ہیں کہ مجھ جیسے ضعفاء و پابہ رکاب بوڑھوں کو رشک آوے تو بجا ہے۔ دونوں زبانوں میں سلاست زبان اور حسن بیان حق تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا ہے۔ پھر بڑی خوبی یہ ہے کہ سلف صالحین اور اپنے اساتذہ اور بزرگوں کے طریقہ کو سنبھالتے رہتے ہیں۔ نئی روشنی اور جدید تمدن کے اثر نے جو جا بجا نظر فریب مگر مہلک غار ڈال دیئے ہیں لوگوں کو ان سے بچانے کی فکر کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔ ان کی ہر تصنیف و تالیف کو دیکھ کر دل سے دعا نکلتی ہے۔"

۵۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحبؒ

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ اور مربیوں میں ایک اہم نام حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ تلمذ کے علاوہ حضرت والد صاحبؒ کو آپ سے دور کی رشتہ داری کا بھی تعلق تھا۔ آپ حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحبؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) کے بھائی تھے۔ طریقت میں حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ کے خلیفہ تھے۔ ۱۲۹۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور حضرت گنگوہیؒ اور دیگر اکابر کے ہاتھوں آپ کو سند اور دستار فضیلت دی گئی۔ ۱۲۹۹ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں بلا تنخواہ تعلیم و تدریس کی خدمت شروع کی۔ اور ۱۳۱۰ھ میں جب دارالعلوم دیوبند میں "دارالافتاء" ایک مستقل شعبہ کی حیثیت

سے قائم ہوا، تو آپ کو مفتی مقرر کیا گیا۔ چنانچہ اس کے بعد پینتیس سال مسلسل دار العلوم دیوبند جیسے علمی مرکز میں فتویٰ کی اہم خدمت آپ ہی کے سپرد رہی۔

حضرت والد صاحبؒ نے حضرت مفتی صاحبؒ سے مشکوۃ اور جلالین شریف درساً پڑھی تھی۔ اس کے بعد جب آپ کو بھی فتویٰ کی خدمت تفویض کی گئی تو عرصہ دراز تک آپ حضرت مفتی عزیز الرحمان صاحب کے زیر نگرانی فتاویٰ تحریر فرماتے رہے۔ اس طرح فتویٰ کی تربیت آپ نے بنیادی طور پر حضرت مفتی صاحبؒ ہی سے حاصل فرمائی۔ اس کے علاوہ حضرت مفتی صاحب کو حصن حصین کی اجازت حضرت شاہ فضل رحمان صاحب گنج مراد آبادیؒ سے حاصل تھی جس کی وجہ سے آپ کی سند حدیث نہایت عالی تھی۔

حضرت والد صاحب نے حصن حصین کو حرفاً حرفاً حضرت مفتی صاحبؒ سے پڑھ کر اسی سند کی اجازت کا شرف بھی حاصل فرمایا تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی سند یہ ہے۔

"حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ از حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ گنج مراد آبادی از حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ و حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ عن والدہ الشیخ ولی اللہ عن الشیخ ابی طاھرہ المدنی عن ولدہ الشیخ ابراھیم الکردی عن الشیخ احمد القشاشی عن الشیخ ابی المواھب احمد بن عبد القدوس الشناوی عن الشیخ شمس الدین محمد بن احمد الرملی عن الشیخ زکریا الانصاری عن الحافظ تقی الدین محمد بن احمد الھاشمی المکی عن مولفہ شیخ الاسلام محمد بن محمد الجزری الشافعیؒ

(دیکھئے مقدمہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۴۶ ج ۱)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہ کے علمی مقام بلند کا اندازہ تنہا اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ اس دور میں دار العلوم دیوبند کے صدر مفتی رہے جب کہ وہاں آسمان علم کے آفتاب و ماہتاب مصروف تدریس تھے لیکن تواضع اور سادگی کا عالم یہ تھا کہ حضرت والد صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت مفتی صاحبؒ کو حق تعالیٰ نے جو کمالات علمی اور عملی، ظاہری اور باطنی عطا فرمائے تھے، حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک شخص کے لئے ان کا

ادارک بھی آسان نہ تھا۔ اور کوئی کیسے سمجھے کہ یہ کوئی بڑے عالم یا صاحب کرامات صوفی اور صاحب نسبت شیخ ہیں جب کہ غایت تواضع کا یہ عالم ہو کہ بازار کا سودا سلف نہ صرف اپنے گھر کا' بلکہ محلہ کی بیواؤں اور ضرورت مندوں کا بھی خود لاتے۔ بوجھ زیادہ ہوجاتا تو بغل میں گٹھری دبالیتے۔ اور پھر ہر ایک کے گھر کا سودا مع حساب کے اس کو پہنچاتے۔"

(مقدمہ فتاویٰ دارالعلوم ص۴۶ ج ۱)

اور احقر نے حضرت والد صاحبؒ سے بارہا زبانی سنا کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ جب حضرت مفتی صاحبؒ کسی عورت کو سودا دینے کے لئے جاتے تو وہ دیکھ کر کہتی "مولوی صاحب! یہ تو آپ غلط لے آئے ہیں۔ میں نے یہ چیز اتنی نہیں' اتنی منگائی تھی" چنانچہ یہ فرشتہ صفت بزرگ دوبارہ بازار جاتے اور اس عورت کی شکایت دور کرتے۔

یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ تواضع اور سادگی کا یہ وصف اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی عزیز الرحمانؒ کے جانشین یعنی حضرت والد صاحبؒ کو بھی خوب عطا فرمایا تھا۔ آپ بھی اپنے علمی و عملی مقام بلند کے باوصف نہ صرف اپنا بلکہ محلہ کے بے سہارا افراد اور عزیزوں رشتہ داروں کا کام بھی خود کیا کرتے تھے اور آپ کو کسی کام سے عار نہ تھی۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ نے غایت شفقت کی بناپر آپ سے فرمایا۔

"بھئی مولوی صاحب! دارالعلوم دیوبند کے مفتی ہوگئے ہیں' اس منصب کا بھی کچھ خیال کیا کریں۔ اب آپ کو پتیلی ہاتھ میں لے کر بازار میں نہیں پھرنا چاہئے۔"

حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "حضرت مدنی قدس سرہ کی اس تنبیہہ پر مجھے خیال ہوا کہ میں واقعۃً اس منصب کی حق تلفی تو نہیں کررہا۔ لیکن میرے اساتذہ ہی میں سے کسی نے حضرت مدنی قدس سرہ سے فرمایا کہ۔ پہلے مفتی صاحبؒ (یعنی مفتی عزیز الرحمان صاحب) کا حال بھی تو یہی تھا۔"

اس پر حضرت مدنیؒ نے تبسم فرمایا۔ گویا فرمارہے ہوں کہ سادگی اور تواضع کی یہ ادا محبوب تو بہت ہے۔ البتہ اب لوگوں کے مزاج چونکہ بگڑ گئے ہیں۔ اس لئے قدرے احتیاط کی

ضرورت ہے۔

۳۔ حضرت والد صاحب قدس سرہ نے "فتاوی دار العلوم دیو بند" کے شروع میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے کچھ حالات تحریر فرمائے ہیں۔ اس میں آپ لکھتے ہیں۔

"تقریباً ۱۳۲۵ھ میں جب احقر نے درجہ فارسی میں تعلیمی داخلہ لیا۔ اس وقت سے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو دور اور نزدیک سے دیکھنے کا مسلسل اتفاق ہوتا رہا۔ اس طرح بیس سال تک حضرت ممدوحؒ سے متعارف ہونے پھر خدمت میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس طویل مدت میں میں نے کبھی ایک دفعہ بھی یہ نہیں دیکھا کہ حضرت ممدوحؒ کو کسی پر غصہ آرہا ہے۔ اس کے متعلق ڈانٹ اور تنبیہہ کے معمولی الفاظ بھی کہہ رہے ہیں۔ حلم و کرم اور حیاء و مروت کا مجسمہ تھے۔ بڑے بڑے زبان دراز دشمنوں سے بھی سابقے پڑے مگر اس مرد خدا کی زبان پر ادب و تعظیم کے سوا کوئی دوسرا لفظ چلتا ہی نہ تھا۔

مجھے کبھی یاد نہیں کہ ان کی مجلس میں کسی برے سے برے آدمی کی برائی کا بھی ذکر ہوتا ہو اور کسی کی غیبت کا تو تصور کیا ہو سکتا ہے۔

ان کے مواجہ میں اگر کوئی شخص کسی معاملے میں کوئی غلط بات بھی کہتا تو غایت حیاء و مروت سے یہ کبھی نہ فرماتے تھے کہ تم یہ بات غلط کہہ رہے ہو۔ بلکہ اس کی بات کا صحیح حل تلاش کر کے یوں فرماتے تھے "گویا آپ کا مطلب یہ ہے" اس طرح اس کی غلطی کی اصلاح بھی فرما دیتے اور تغلیط و تردید کے الفاظ سے بچ جاتے تھے۔

علوم دینیہ کی انتہائی مہارت کے ساتھ تواضع اور احتیاط و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ مشکوۃ شریف کے درس میں اس کی شرح مرقاۃ کو سامنے رکھتے۔ جو کوئی طالب علم سوال کرتا تو مرقاۃ ہی کی عبارت پڑھ کر جواب دے دیتے تاکہ کسی کو یہ بھی احساس نہ ہو کہ یہ جواب ان کو پہلے سے معلوم تھا۔ تقریر اتنی سادہ کہ سننے والوں کو یہ بھی احساس نہ ہو کہ کوئی بڑا عالم تقریر کر رہا ہے۔" (ص ۴۶، ۴۷)

۴۔ حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے پینتیس (۳۵) سال کے عرصے میں ہزارہا فتاویٰ تحریر فرمائے اور بعید نہیں کہ ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہو۔ لیکن اس کا کوئی مجموعہ شائع نہیں ہوا تھا۔ سب سے پہلے حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند کے فتاوٰے کے رجسٹروں سے انتخاب فرما کر حضرت مفتی صاحبؒ کے فتاویٰ کو "عزیز الفتاوٰے" کے نام سے ترتیب دیا۔ یہ فتاوٰے پہلے ماہنامہ "المفتی" میں شائع ہوتے رہے جو حضرت والد صاحبؒ کی زیر ادارت دیوبند سے نکلتا تھا۔ اس کے بعد چار حصوں میں یہ جدا گانہ شائع ہوا۔ اب اسے ایک ہی جلد ہی مجلد کر دیا گیا ہے اس کے بعد کچھ عرصہ پہلے دارالعلوم دیوبند میں فتاوٰے کی ترتیب و تبویب کا کام۔ "فتاویٰ دارالعلوم دیوبند" کے نام سے شروع ہوا۔ اس میں سب سے پہلے حضرت مفتی صاحب ہی کے فتاویٰ جمع ہو رہے ہیں۔ اب تک اس کی نو جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور غالباً یہ سلسلہ ابھی تک صرف کتاب الطلاق تک پہنچا ہے۔ حضرت مولانا نفیر الدین صاحب مدظلہم نے اس کی ترتیب و تبویب میں بڑی محنت اور عرق ریزی سے کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ عظیم کارنامہ ان کے ہاتھوں بطریق احسن پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ انشاء اللہ یہ آنے والی نسلوں کے لئے فقہی رہنمائی کا عظیم ترین ذخیرہ ہو گا۔

فتوٰے سے حضرتؒ کے شغف کا یہ عالم تھا کہ حضرت والد صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"بعض دوستوں نے مجھے بتلایا کہ وفات سے پہلے بھی ایک فتویٰ ہاتھ میں تھا جس کو موت ہی نے ہاتھ سے چھڑا کر سینہ پر ڈال دیا تھا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء"

(مقدمہ فتاویٰ دارالعلوم ص ۴۸۔ ج ۱)

۵۔ حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضرت والد صاحبؒ پر بے حد شفقت فرماتے اور آپ کی علمی و عملی صلاحیتوں کی نہایت قدر کرتے تھے۔ چانچہ "سیرت خاتم الانبیاء" کی تقریظ میں حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"بندہ نے کتاب مستطاب سیرت سید البشر موسوم باوجز المسیر لخیر البشر مؤلفہ عالم ذکی تقی و نقی مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی کو من

اولہ الی اخرہ نہایت شوق و محبت سے دیکھا اور اس کے مطالعہ سے محظوظ و مسرور ہوا۔ حق یہ ہے کہ اس موضوع میں یہ کتاب لاجواب ہے۔

مؤلف سلمہ اللہ تعالیٰ وادصلہ الیٰ مایتمنی نے نہایت بلاغت و فصاحت و ایجاز و محمود و سادگی و بے تکلفی کے ساتھ صحیح حالات و وقائع کو جمع کر دیا ہے۔ حق تعالیٰ اپنے فضل و لطف سے مولف سلمہ کو جزائے خیر دارین میں عطا فرماوے۔ اور اس کتاب کو مقبول فرمادے۔ اور بندگان خاص کو اس سے نفع پہنچائے۔ آمین۔

(کتبہ احقر عزیز الرحمن الدیوبندی العثمانی)

۶۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند

۱۳۴۸ھ = ۱۹۲۹ء

حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنے جن بزرگوں کا تذکرہ بکثرت فرماتے تھے ان میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قدس سرہ کا اسم گرامی بھی بہت نمایاں ہے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے۔ اور والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ انتظامی مصروفیت کی بنا پر آپ کا علمی اور عملی مقام لوگوں پر واضح نہ ہو سکا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو عجیب کمالات عطا فرمائے تھے۔

۱۔ حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قدس سرہ کو عربی ادب کا بڑا ستھرا ذوق تھا۔ اور آپ کی عربی تحریریں بڑی چست اور ادیبانہ ہوتی تھیں۔ آج کل دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کو جو سند دی جاتی ہے اس کا پورا مضمون حضرت مولانا ہی کا مرتب فرمایا ہوا ہے۔ اور جب ہم لوگوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کی سرپرستی میں عربی نظم و نثر کی مشق کے لئے "نادیہ الادب" قائم کی تو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قدس سرہ اس میں بڑی دلچسپی کے ساتھ حصہ لیا کرتے تھے۔

۲۔ فرمایا کہ مجھے تصنیف و تالیف اور مضمون نگاری کی طرف متوجہ کرنے میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا بڑا حصہ ہے۔ مولانا کی عادت یہ تھی کہ وہ

انتظامی کاموں میں مصروف رہنے کے باوجود دار العلوم کے طلباء پر خاص نظر رکھتے تھے۔ اور جس طالب علم میں کوئی صلاحیت دیکھتے اس کی ہمت افزائی فرما کر اس کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کی کوشش فرماتے۔

میں ابھی دار العلوم میں پڑھتا ہی تھا کہ مولانا کی خاص نظر عنایت مجھ پر مبذول ہو گئی۔ بارہا ایسا ہوا کہ جب میں امتحان گاہ میں بیٹھا پرچہ لکھ رہا ہوتا تو حضرت مولانا میرے پاس تشریف لا کر میرے لکھے ہوئے جوابات دیکھتے۔ اور بعض اوقات اتنے مسرور ہوتے کہ دوسرے اساتذہ کو جا کر اطلاع دیتے تھے۔

ایک مرتبہ کسی اخبار یا رسالے میں کوئی مضمون شائع ہوا جس میں امت کے کسی اجماعی مسئلے کے خلاف رائے ظاہر کی گئی تھی۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے احقر کو حکم دیا کہ اس کا جواب لکھو۔ میں نے تعمیل حکم کی۔ اور یہ میرا پہلا مضمون تھا۔ میں نے جب یہ مضمون لکھ کر حضرت مہتمم صاحبؒ کو دکھایا تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سمائے۔ اور اسی وقت مجھے حضرت شاہ صاحبؒ۔ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ اور دوسرے اساتذہ کے پاس لے گئے۔ اور ان کو میرا لکھا ہوا یہ مضمون دکھایا۔

حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ وہ میرا پڑھنے کا زمانہ تھا اور میں نے پہلا مضمون لکھا تھا۔ اس لئے اس میں یقیناً بہت سی خامیاں ہوں گی۔ لیکن حضرت مولاناؒ نے جو معاملہ میرے ساتھ فرمایا۔ اس نے میری ایسی ہمت افزائی کی کہ تحریری کام کا ایک شوق پیدا ہو گیا۔ اس کے بعد "القاسم" کے نام سے دار العلوم دیوبند کا جو رسالہ حضرت مولاناؒ کی ادارت میں نکلتا تھا، میں نے اس میں مضامین لکھنے شروع کر دیئے۔

فراغت کے بعد کچھ عرصہ حالات ایسے رہے کہ مجھے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ دینے کا موقع نہ مل سکا۔ اس لئے حضرت مولاناؒ اس زمانے میں مجھ سے کچھ شاکی رہے۔ اس کے بعد جب میں نے دو تین رسالے لکھ کر انہیں دکھائے تو وہ کھل اٹھے اور فرمایا۔

"یہی تو وہ کام ہے جس میں تمہیں مشغول دیکھنا چاہتا ہوں"

۳۔ حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قدس سرہ کو انتظامی صلاحیت اور سیاسی سوجھ بوجھ اس قدر غیر معمولی عطا فرمائی تھی کہ درحقیقت وہ وزیر بننے کے لائق انسان تھے۔ دار العلوم دیوبند پر سخت سے

سخت وقت آئے' بڑی بڑی شورشیں اٹھیں۔ لیکن میں نے اس بندہ خدا کو کبھی ہراساں یا پریشان نہیں دیکھا۔ سنگین سے سنگین حالات میں بھی ان کے اطمینان اور خود اعتمادی میں کبھی فرق نہیں آتا دیکھا۔

انہوں نے دارالعلوم میں خلاف اصول باتوں کو کبھی برداشت نہیں کیا۔ اور اپنے حسن تدبیر سے مدرسے کو بڑے بڑے فتنوں سے محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کی۔ جس کا ایک واقعہ یاد آیا ہے۔

۴۔ فرمایا کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے مثالی ضبط و تحمل عطا فرمایا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کی زمین سے متصل کسی دیوبند کے رئیس کی زمین تھی۔ اس کا کچھ حصہ دارالعلوم کے لئے خرید لیا گیا تھا۔ اس رئیس کے انتقال کے بعد اس کے ایک وارث نے ایک روز دارالعلوم کے صحن میں پہنچ کر اس زمین کی حق داری کا دعویٰ کیا اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کو خطاب کر کے با آواز بلند بہت برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس کا انداز گفتگو اس قدر اشتعال انگیز تھا کہ مولاناؒ کے بعض خدام کو بھی فطری طور پر اشتعال ہوا۔ اور انہوں نے بھی اس کو اسی کی زبان میں جواب دینے کا ارادہ کیا۔ لیکن مولاناؒ نے ان کو روکا۔ اور ان صاحب سے فرمایا کہ "شیخ صاحب! آپ فضول ناراض ہو گئے' ذرا اندر تشریف لائیے' اطمینان سے بات کریں گے۔" مگر وہ صاحب بدستور غیظ و غضب کا اظہار کرتے رہے۔

مولاناؒ نے کچھ دیر بعد پھر فرمایا۔ "اندر چل کر بیٹھئے تو سہی' وہاں بات کریں گے" اور پھر انہیں زبردستی دفتر اہتمام میں لے گئے۔ ان کی خاطر تواضع کی' اور جب وہ ذرا ٹھنڈے ہو گئے تو مولاناؒ اطمینان کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھے' ایک الماری کھولی' اس میں سے کچھ کاغذات لے کر آئے اور ان صاحب کے سامنے پھیلا دیئے کہ دیکھئے یہ زمین آپ کے مورث نے فلاں تاریخ کو دارالعلوم کے ہاتھ فروخت کر دی تھی اور اس کی رجسٹری بھی ہو چکی ہے۔

ان صاحب نے کاغذات دیکھے تو بے حد شرمندہ ہوئے اور مولاناؒ نے جس صبر و ضبط اور تحمل کا مظاہرہ فرمایا اس سے بے حد متاثر ہو کر گئے۔

۵۔ حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کے زمانے

میں دارالعلوم دیوبند کا کام بہت پھیل گیا تھا۔ بہت سے شعبے قائم ہو چکے تھے اور سینکڑوں طلباء دارالاقامہ میں رہتے تھے۔ اس لئے مولاناؒ شب و روز انتظامی کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ اس کے باوجود ان کی نوافل اور تلاوت وغیرہ کے علاوہ روزانہ سوا لاکھ مرتبہ ذکر اسم ذات کا معمول کبھی قضا نہیں ہوا۔

۶۔ ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ کے خلاف ایک شدید طوفان کھڑا ہوا جس میں بعض لوگ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کی جان تک کے دشمن ہو گئے۔ ان حالات میں بھی مولانا کھلی چھت پر تن تنہا سوتے تھے۔

حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ "حضرت! ایسے حالات میں آپ کا اس طرح سونا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ آپ کم از کم کمرے کے اندر ہی سو جایا کریں۔" لیکن مولاناؒ نے بڑی بے نیازی کے ساتھ ہنس کر فرمایا۔

> "ارے میاں! میں تو اس باپ (یعنی سیدنا حضرت عثمان غنیؓ) کا بیٹا ہوں جس کے جنازے کو چار اٹھانے والے بھی میسر نہ آئے۔ اور جسے رات کے اندھیرے میں بقیع کی نذر کیا گیا۔ لہٰذا مجھے موت کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔"

۷۔ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب قدس سرہ دارالعلوم دیوبند کے ان مقبول عام اساتذہ میں سے تھے کہ جس شخص نے ان سے چند اسباق پڑھ لئے ان کا گرویدہ ہو گیا۔ حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے عربی صرف و نحو اور ادب کی تقریباً تمام کتابیں ان ہی سے پڑھی تھیں۔

والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس سال ہم نے باقاعدہ عربی پڑھنی شروع کی۔ اسی سال حضرت شیخ الادبؒ نے تدریس کا آغاز فرمایا۔ پھر جوں جوں ہم آگے بڑھتے گئے، حضرت مولاناؒ تدریس میں آگے بڑھتے رہے۔ اس طرح کئی سال تک مسلسل

آپ ہی کے تلمذ کا شرف حاصل رہا۔

۱۔ والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ فارسی کے آخری سال ہی میں ہم نے عربی کی ابتدائی کتب میزان الصرف اور نحو میر پڑھ تو لی تھیں، لیکن ان میں پختگی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اگلے سال جب ہمارے اسباق حضرت شیخ الادب صاحبؒ کے پاس پہنچے تو انہوں نے "مفید الطالبین" پڑھانی شروع کی۔ اور اس کے پہلے ہی سبق میں ساری صرف و نحو کا اجراء کرانا شروع کر دیا۔ وہ ہر ہر لفظ کے بارے میں سوالات کرتے کہ یہ اسم ہے یا فعل، یا حرف؟ اسم ہے تو متمکن ہے یا غیر متمکن؟ متمکن ہے تو اس کی کون سی قسم؟ اس کی اعرابی حالتیں کیا ہیں؟

غرض یہ کہ ہر ہر لفظ میں پوری میزان اور نحو میر کا اجراء کرا دیا۔ اس طرح صرف ایک صفحے میں ہم کو ایک مہینے سے زیادہ لگ گیا۔ لیکن جب وہ صفحہ ختم ہوا تو ہمیں صرف و نحو کے بنیادی قواعد ازبر ہو گئے تھے۔

۲۔ حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ مولاناؒ کے طرز تدریس کا نتیجہ یہ تھا کہ عربی کے پہلے ہی سال میں ہم عربی زبان میں مختصر مضامین لکھنے لگے تھے۔ ایک مرتبہ مولاناؒ نے ہمیں گھر پر کرنے کے لئے جو کام دیا تھا میں کسی عذر کی بنا پر وہ پورا نہ کر سکا اور جتنا آدھا تہائی کیا تھا اس کے ساتھ ہی معذرت کے چند جملے لکھ دیئے۔ اس کے جواب میں اسی کاپی پر حضرت مولاناؒ نے یہ شعر لکھ دیا کہ۔

بقدر الکد تکتسب المعالی ومن طلب العلا سهر الليالی

"جتنی محنت کی جائے اتنی ہی بلندیاں حاصل ہوتی ہیں، اور جو شخص بلندی کی جستجو میں ہو وہ راتوں کو جاگتا ہے۔"

حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے کبھی گھر کے تحریری کام میں کوتاہی نہیں کی۔

۳۔ فرمایا کہ جب ہم حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے پاس نفحۃ الیمن پڑھ رہے تھے تو حضرت استاذؒ کے فیضان توجہ سے عربی میں شعر کہنے لگے تھے۔ اس کا واقعہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ میں نے اردو میں دو چار شعر کہے، کسی نے حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو اس کی اطلاع کر دی۔

مولاناؒ نے فرمایا۔ "اردو میں شعر کہے تو کیا کہے؟ کہنا ہو تو عربی میں کہو۔ اور اس کے ساتھ مصرعہ طرح بھی دے دیا۔ چنانچہ ہم نے اسی وقت سے عربی میں شعر کہنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔

۴۔ فرمایا کہ جس سال حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کو پہلی بار "مقامات حریری" پڑھانے کے لئے دی گئی' اس سال ہم نے ان سے "مقامات" پڑھی۔ ہم دیکھتے تھے کہ مولاناؒ اس کے لئے رات بھر مطالعے میں مصروف رہتے تھے۔ اور درس اس قدر محققانہ ہوتا تھا کہ طلباء نہال ہو جاتے تھے۔ اسی کے ساتھ کچھ عرصے کے بعد مولاناؒ نے "حریری" کے طرز پر طلباء سے مقامے لکھوانے شروع کئے۔ چنانچہ میں نے اسی انداز پر متعدد مقامے لکھے تھے' جو عرصہ دراز تک میرے پاس محفوظ رہے بعد میں کہیں ضائع ہو گئے۔

۵۔ مولاناؒ کے درس میں برکت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ ہم نے ایک ہی سال میں مقامات حریری کے تیس مقامے ایسی تحقیق' اور تمرین کے ساتھ ان سے پڑھے کہ اس کے بعد دیوان متنبّی' قافیہ را تک اسی سال پڑھا اور یہ سب کچھ ایک ہی گھنٹے میں ہو گیا۔ خارج میں کوئی وقت لینے کی نوبت نہیں آئی۔

۶۔ جب حضرت والد صاحبؒ نے تدریس شروع کی تو ابتداء میں خاص طور پر ادب عربی کی تدریس میں آپ کی شہرت زیادہ ہوئی۔ "مقامات حریری" کا درس سالہا سال آپ کے پاس رہا۔ آپ کے اس درس کی بڑی شہرت تھی اور اسے حضرت والد صاحبؒ سے پڑھنے کے لئے فارغ التحصیل علماء بھی اہتمام کر کے آیا کرتے تھے۔ حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہ سب کچھ حضرت شیخ الادب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خصوصی عنایات کا نتیجہ ہے۔

۷۔ حضرت والد صاحبؒ نے بارہا ذکر فرمایا کہ حضرت شیخ الادب صاحبؒ کی یہ ادا سارے مدرسے میں مشہور تھی کہ وہ ہر کس و ناکس کو ہمیشہ ابتداء بالسلام کرنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ اور کوئی دوسرا شخص عام طور سے انہیں سلام کرنے کی ابتداء نہیں کر پاتا تھا۔ بعض اوقات طلباء پہلے سے طے کر کر کے کوشش کرتے کہ آج ہم مولاناؒ کو پہلے سلام کریں گے لیکن اس کوشش میں کامیاب نہ ہوتے۔

۸۔ حضرت والد صاحبؒ نے سنایا کہ ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت مولانا اعزاز علی

صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ کسی سفر پر روانہ ہوئے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ سفر کے آغاز میں حضرت مولاناؒ نے فرمایا۔ "اپنے میں سے کسی کو امیر سفر بنالو!" ہم نے عرض کیا! "حضرت! امیر تو متعین ہیں۔" فرمانے لگے "اگر مجھے امیر بنانا چاہتے ہو تو پھر میری مکمل اطاعت کرنی ہوگی"

ہم نے کہا۔ "انشاء اللہ ضرور" لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب سامان اٹھانے کا مرحلہ آتا تو مولاناؒ خود آگے بڑھ کر نہ صرف اپنا بلکہ دوسروں کا بھی' سامان اٹھا لیتے۔ ہم لوگ سامان اٹھانے پر اصرار کرتے تو مولاناؒ فرماتے۔ "میں امیر ہوں' میرے حکم کی اطاعت ضروری ہے۔"

اس کے بعد سارے سفر میں یہی معمول رہا۔ کہ جب کوئی مشقت کا کام ہوتا تو مولاناؒ آگے بڑھتے اور ہم مداخلت کرتے تو اطاعت امیر کا حکم سنا کر خاموش کر دیتے۔

۹۔ پاکستان آنے کے بعد بھی حضرت شیخ الادب صاحبؒ سے حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خط و کتابت جاری رہی۔ راقم کو یہ خطوط پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ حضرت مولاناؒ کی تواضع کا عالم یہ تھا کہ حضرت والد صاحب کو (جو مولانا کے تلمذ کو اپنے لئے مایہ افتخار سمجھتے تھے) اس انداز سے خط لکھتے تھے جیسے کوئی چھوٹا اپنے بڑے کو لکھتا ہے۔

آخر عمر میں حضرت شیخ الادب صاحبؒ کے ذہن میں پاکستان آنے کا رجحان پیدا ہو گیا تھا۔ اور جب حضرت والد صاحبؒ کو اس کا علم ہوا تو حضرتؒ سے درخواست کی تھی کہ جب بھی پاکستان تشریف لائیں۔ دارالعلوم کراچی کو اپنا مرکز فیض رسانی قرار دیں۔ اور حضرت شیخ الادب صاحبؒ نے اس کا وعدہ بھی فرمالیا تھا۔ لیکن اس کے بعد ان کی عمر نے وفا نہ کی۔ اور وہ دیوبند ہی میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

۱۰۔ حضرت والد صاحبؒ نے آلہ مکبر الصوت کے مسئلے پر جو رسالہ لکھا۔ اس کے بارے میں حضرت شیخ الادب صاحبؒ نے تحریر فرمایا۔

> "لاؤڈ اسپیکر کا استعمال موجودہ زمانے میں اہم مسائل میں سے ہو گیا ہے اور اس کے متعلق علمائے زمانہ کی مختلف آراء شائع ہوتی رہتی ہیں اور چونکہ اس کا زیادہ تعلق نماز سے ہے اس لئے یہ اختلاف مسلمانوں کے لئے زیادہ موجب تشویش ہے۔ جناب محترم مولانا مفتی محمد

شفیع صاحب نے اس کے متعلق مفصل اور مفید رسالہ لکھا ہے۔ میں نے اس کو من اولہ الی آخرہ سنا اور مجیب لبیب کو صمیم قلب سے دعائیں دیں۔ خدا کرے کہ مصنف علامہ کے اور رسائل کی طرح یہ رسالہ بھی خواص و عوام دونوں کے لئے مفید اور عند اللہ مقبول ہو۔ آمین محمد اعزاز علی امروہوی۔" (آلات جدیدہ ص ۴)

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ

1887-1949 ,1305-1369

حضرت والد صاحبؒ نے جن اکابر کی صحبت اٹھائی اور جن سے آخر وقت تک خصوصی تعلق رہا ان میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ بھی شامل ہیں۔ آپ کا اسم گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کی علمی اور سیاسی زندگی کے بارے میں مفصل کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

حضرت والد صاحبؒ نے ہدایہ کا کچھ حصہ اور صحیح مسلم حضرت مولاناؒ ہی سے پڑھی تھی۔ اور جب مولانا ڈابھیل میں صحیح بخاری کا درس دیتے تھے تو ایک مرتبہ بیماری کی بنا پر تدریس سے معذور ہو گئے۔ اس موقع پر مولاناؒ نے اپنی جگہ صحیح بخاری کا درس دینے کیلئے حضرت والد صاحبؒ کو نامزد فرمایا۔ حضرت والد صاحب اس وقت دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو چکے تھے۔ مولانا کی فرمائش پر ڈابھیل تشریف لے گئے اور چند ماہ وہاں مولانا کی جگہ صحیح بخاری کا درس دیا۔

پھر جب قیام پاکستان کیلئے حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے ملک گیر جدوجہد کرنا شروع کی اور اس غرض کیلئے جمعیت علماء اسلام کا قیام عمل میں آیا تو حضرت والد صاحبؒ اس پوری جدوجہد میں مولاناؒ کے دست و بازو بنے رہے۔ اور اس غرض کیلئے ملک کے طول و عرض میں دورے کئے۔ متعدد مقامات پر جہاں مولانا تشریف نہیں لے جا سکتے تھے، حضرت والد صاحبؒ کو اپنی جگہ بھیجا۔ اور سرحد ریفرنڈم کے موقع پر پورے صوبہ سرحد کا دورہ کرتے ہوئے والد صاحبؒ کو اپنے ساتھ رکھا۔

پاکستان بننے کے بعد جب یہاں اسلامی دستور کی جدوجہد کا آغاز ہوا۔ تو شیخ الاسلام

حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی ؒ ہی کی دعوت پر حضرت والد صاحبؒ پاکستان تشریف لائے۔ انہی کی ہدایت پر تعلیمات اسلامی بورڈ میں شامل ہوئے' جو اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کرنے کیلئے بنایا گیا تھا۔ پھر مولانا کی وفات تک ہر اہم معاملے میں ان کے شریک کار رہے۔ اور حضرت مولانا کی نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت بھی آپ ہی کو حاصل ہوئی۔

حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی ؒ پاکستان کے صف اول کے معماروں میں شامل تھے۔ قائد اعظم اور نواب زادہ لیاقت علی خان مرحوم تقسیم ملک کے وقت آپ کو اپنے ساتھ پاکستان لے آئے تھے اور مغربی پاکستان میں پاکستان کا پرچم سب سے پہلے مولانا ہی نے لہرایا۔

اگر آپ چاہتے تو یہاں اپنے لئے بہت کچھ دنیوی سازو سامان اور عہدہ و منصب حاصل کرسکتے تھے۔ لیکن مولاناؒ نے آخر وقت تک درویشانہ زندگی گزاری۔ اپنے لئے کوئی ایک مکان بھی حاصل نہ کیا۔ بلکہ وفات کے وقت تک دو مستعار لئے ہوئے کمروں میں مقیم رہے۔ اور اس حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے کہ نہ آپ کا کوئی بنک بیلنس تھا' نہ ذاتی مکان تھا' نہ سازو سامان۔

۱۹۴۸ء میں جب حضرت والد صاحبؒ پاکستان تشریف لائے تو روزانہ شام کے وقت حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی ؒ کے پاس جانے کا معمول تھا۔ راقم الحروف اس وقت بہت کمسن تھا اور اکثر والد صاحب کے ساتھ مولانا کی خدمت میں چلا جایا کرتا تھا۔ اس زمانے میں کراچی میں کوئی معیاری علمی مرکز نہیں تھا۔ کوئی علمی کتب خانہ بھی نہ تھا۔ لہٰذا جب کسی علمی مسئلہ کی تحقیق مقصود ہوتی تو مولاناؒ حضرت والد صاحبؒ کے پاس تشریف لے آتے۔ کیوں کہ والد صاحبؒ اپنے ساتھ اپنی ذاتی کتابوں کا ذخیرہ لے کر آئے تھے۔ چنانچہ ہمارے مکان پر علمی و فقہی مجلسیں رہتیں اور مولانا اپنے ضعف و علالت کے باوجود علمی پیاس بجھانے کیلئے تین منزلہ مکان کی سیڑھیاں طے کرکے پہنچ جایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی ؒ کو تحریر اور تقریر دونوں کا منفرد ملکہ عنایت فرمایا تھا۔ خاص طور سے آپ کی خطابت انتہائی موثر اور دل نشین ہوتی تھی۔ اور آپ مختلف جملوں کے ذریعہ اپنی بات دلوں میں اتار دیتے تھے۔ حضرت والد صاحبؒ سے سنے ہوئے حضرت علامہ عثمانی ؒ کے چند جملے اس وقت یاد آگئے۔

۱۔ فرمایا کہ "حق بات اگر حق نیت سے اور حق طریقہ سے کہی جائے تو کبھی رائیگاں نہیں جاتی' اس کا کچھ اثر ضرور ہوتا ہے۔ بات جب بھی بے اثر ہوگی تو یا تو وہ خود حق بات نہ ہوگی یا بات حق ہوگی مگر کہنے والے کی نیت حق نہ ہوگی' یا بات بھی حق ہوگی' نیت بھی حق ہوگی لیکن کہنے کا طریقہ صحیح نہیں ہوگا۔ لیکن اگر یہ تینوں شرائط موجود ہوں تو بات کے غیر موثر ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں۔"

۲۔ فرمایا کہ "دنیا کی جنت یہ ہے کہ زوجین ایک ہوں اور نیک۔"

۳۔ حضرت علامہ عثمانی "پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے رکن تھے اور وہاں شب و روز اسلامی دستور کے سلسلہ میں دوسرے ارکان سے بحث و مباحثہ رہتا تھا۔ ایک مرتبہ مولاناؒ کی کسی تجویز پر غالباً (سابق گورنر جنرل) غلام محمد صاحب نے یہ طعنہ دیا کہ "مولانا یہ امور مملکت ہیں' علماء کو ان باتوں کی کیا خبر؟ لہٰذا ان معاملات میں علماء کو دخل اندازی نہ کرنی چاہئے۔"

اس موقع پر حضرت علامہ نے جو تقریر فرمائی اس کا ایک بلیغ جملہ یہ تھا

"ہمارے اور آپ کے درمیان صرف اے' بی' سی' ڈی کے پردے حائل ہیں' ان مصنوعی پردوں کو اٹھا کر دیکھئے تو پتہ چلے گا کہ علم کس کے پاس ہے اور جاہل کون ہے؟۔"

۴۔ بعض لوگوں کو اسلامی دستور یا اسلامی قانون کا تصور آتے ہی یہ خطرہ دامن گیر ہو جاتا ہے کہ اسلامی دستور و قانون کے نفاذ سے ملک میں تھیوکریسی قائم ہو جائے گی۔ ایک مرتبہ اسی قسم کا کوئی معاملہ اسمبلی میں زیر بحث تھا۔ اس موقع پر حضرت علامہؒ نے ارشاد فرمایا۔

"آپ کو ملّا سے یہ خطرہ ہے کہ وہ کہیں اقتدار پر قابض نہ ہو جائے لیکن خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ملّا کا ایسا کوئی ارادہ نہیں' ملّا اقتدار پر قبضہ کرنا نہیں چاہتا' البتہ اصحاب اقتدار کو تھوڑا سا ملّا ضرور بنانا چاہتا ہے۔"[1]

---

[1] علماء کی اصل پالیسی شروع سے یہی تھی کہ نہ الیکشن میں حصہ لیں' نہ اقتدار میں آئیں' اور اگر ارباب اقتدار اسلامی دستور قانون کے نفاذ کے سلسلے میں ملک بھر کے علماء کا مطالبہ تسلیم کر لیتے تو کسی اہل علم کو الیکشن کی سیاست میں حصہ لینے کی ضرورت نہ ہوتی۔ لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہ ہوا۔ اور اس کے بعد بعض علمائے کرام مجبور ہو کر الیکشن کی سیاست میں داخل ہو گئے۔

۵۔ وطن کے سلسلہ میں حضرت علامہ عثمانی ؒ کا ایک ارشاد حضرت والد صاحب بکثرت نقل فرماتے تھے۔ اور اسے اپنے "سفرنامہ دیوبند و تھانہ بھون" میں بھی تحریر فرمایا ہے۔

"یاد آیا کہ میرے استاذ محترم اور برادر مکرم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی ؒ نے ایک روز "وطن" پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہر شخص کے تین وطن ہیں۔ ایک جسمانی، دوسرا ایمانی، تیسرا روحانی۔ وطن جسمانی وہ جگہ ہے جہاں وہ پیدا ہوا۔ وطن ایمانی مومن کا مدینہ طیبہ ہے جہاں سے اس کو نور ایمان ملا، اور وطن روحانی جنت ہے جہاں عالم ارواح میں اس کا اصلی مستقر تھا۔ اور پھر پھرا کر پھر وہیں جانا ہے۔"

(نقوش و تاثرات ص ۵)

۶۔ حضرت والد صاحب ؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت علامہ عثمانی ؒ علم و فضل کے پہاڑ تھے اور اللہ تعالیٰ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ بانی دارالعلوم دیوبند کو جو علوم وہبی عطا فرمائے تھے خاص طور سے فلسفہ و کلام اور حکمت دین کے بارے میں حضرت نانوتوی ؒ کو جو دقیق معارف عطا ہوئے تھے وہ اچھے اچھے علماء کی سمجھ میں نہیں آتے۔ لیکن علماء دیوبند کی جماعت میں دو بزرگ ایسے ہیں جنہوں نے حکمت قاسمی کی شرح و توضیح اور اسے اقرب الی الفہم بنانے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ ایک حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی ؒ اور دوسرے مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم العالی۔

۷۔ حضرت والد صاحب ؒ نے ہی سنایا کہ جب حضرت عثمانی ؒ نے صحیح مسلم پر اپنی شہرہ آفاق شرح "فتح الملہم" تالیف فرمائی تو اس کا مسودہ حرمین شریفین لے کر گئے تھے۔ وہاں روضہ اقدس کے سامنے بیٹھ کر اس کی ورق گردانی کی۔ اور پھر روضہ اقدس پر بھی، اور حرم مکہ میں ملتزم پر بھی مسودہ سر پر رکھ کر دعا کی تھی کہ۔

"یہ مسودہ احقر نے بے سروسامانی کے عالم میں مرتب کیا ہے، یا اللہ! اس کو قبول فرمالیجئے۔ اور اس کی اشاعت کا انتظام فرمادیجئے۔"

اس کے بعد جب حرمین شریفین سے واپس آئے تو نظام حیدر آباد کی طرف سے پیش کش کی گئی کہ ہم اس کتاب کو اپنے اہتمام سے شائع کرائیں گے۔ چنانچہ وہ نظام حیدر آباد

ہی کے مصارف پر بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوئی اور اس نے پوری علمی دنیا سے اپنا لوہا منوالیا۔

۸۔ حضرت والد صاحبؒ حضرت علامہ عثمانیؒ کی اردو تصانیف میں تفسیر عثمانیؒ کے علاوہ "اسلام" "العقل والنقل" اور "اعجاز قرآن" کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے۔ اور کئی مرتبہ اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ ان کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ ہوجائے۔ اپنے بعض انگریزی دان متعلقین کو اس طرف متوجہ بھی فرمایا۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ کام حضرت والد صاحبؒ کی حیات میں انجام نہ پاسکا۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا

۹۔ حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ عثمانیؒ کو خطابت کا غیر معمولی کمال عطا فرمایا تھا۔ لیکن ساتھ ہی طبیعت میں نزاکت اور نفاست بھی بہت تھی۔ چنانچہ جب ذرا طبیعت میں ادنیٰ تکدّر ہوتا تو وعظ و تقریر پر آمادگی ختم ہوجاتی تھی۔

فیروز پور میں جب قادیانیوں کے ساتھ ہمارا مناظرہ ختم ہوا[1]۔ تو اہل شہر نے رات کے وقت ایک بڑے جلسہ عام کا اہتمام کیا۔ خیال یہ تھا کہ اس وقت فیروز پور میں اکابر علماء دیوبند جمع ہیں۔ جن میں حضرت شاہ صاحبؒ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن خان صاحبؒ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ وغیرہ جیسے آفتاب و ماہتاب شامل ہیں۔ اس لئے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہل شہر کو ان سے مستفید کیا جائے۔ یوں تو یہ تمام ہی حضرات علم و فضل میں اپنی نظیر آپ تھے۔ لیکن جہاں تک خطابت کا تعلق ہے سب کی نظریں علامہ عثمانیؒ پر لگی ہوئی تھیں کیوں کہ ان کی تقریر عالمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ عام فہم بھی ہوتی تھی، اور عام لوگ اس کا اثر زیادہ قبول کرتے تھے۔ چنانچہ جلسہ کے پروگرام میں آپ کی تقریر کا بھی اعلان کردیا گیا۔

لیکن جب جلسے کا وقت قریب آیا تو حضرت علامہ عثمانیؒ کی طبیعت کچھ ناساز ہوگئی تقریر کے لئے انشراح باقی نہ رہا۔ اور مولانا نے تقریر سے عذر کردیا۔ جتنے علماء اس وقت موجود تھے ان سب نے مولانا کو آمادہ کرنا چاہا۔ مگر مولانا آمادہ نہ ہوئے بلکہ حضرت مولانا

---

[1] اس مناظرے کی تفصیل خود حضرت والد صاحبؒ کے قلم سے مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب نے اپنے مقالے "مفتی اعظم اور رد مرزائیت" میں بیان فرمائی ہے یہ مقالہ البلاغ نمبر میں شائع ہوچکا ہے۔

مرتضیٰ حسن خان صاحبؒ مولانا پر ناراض بھی ہوئے۔

لیکن میں جانتا تھا کہ مولاناؒ اس معاملہ میں معذور ہیں۔ اور جب تک از خود آمادگی پیدا نہ ہو وہ تقریر نہیں فرماسکتے' اس لئے میں خاموش رہا۔ یہاں تک کہ جب تمام حضرات جلسہ میں جانے لگے تو میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ حضرات تشریف لے جائیں میں بعد میں آؤں گا۔ اب قیام گاہ پر صرف میں حضرت علامہ عثمانیؒ کے ساتھ رہ گیا۔ جب کچھ دیر گزری تو میں نے عرض کیا۔

"حضرت! آپ کی طبیعت میں کچھ انقباض ہے یہاں قیام گاہ پر تنہا رہنے سے یہ انقباض اور بڑھے گا اگر آپ جلسہ میں صرف تشریف لے جائیں اور بیان نہ کریں تو شاید کچھ طبیعت بہل جائے۔"

فرمانے لگے کہ "لوگ مجھے خطاب پر مجبور کریں گے" میں نے عرض کیا کہ "اس کا میں ذمہ لیتا ہوں۔ کہ آپ کی رضامندی اور خوش دلی کے خلاف کوئی آپ سے اصرار نہ کرے گا۔ مولانا اس بات پر راضی ہوگئے۔ اور تھوڑی دیر بعد ہم جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔ وہاں پر دوسرے علماء کرام تقریر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مجمع کا ذوق و شوق دیکھ کر حضرت علامہ عثمانیؒ کے دل میں خود بخود آمادگی پیدا ہوگئی۔ اور پھر خود ہی اسٹیج سیکرٹری سے کہا کہ "میں بھی کچھ کہوں گا" اس کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ مولانا کی تقریر ہوئی۔ جس نے حاضرین کو سیراب کردیا۔

۱۰۔ حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ عثمانیؒ کو تحریر کا بھی خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ اور جب حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے آزادی ہند کی جدوجہد کیلئے جمعیۃ علماء ہند قائم فرمائی اور اس غرض کیلئے دہلی میں ایک عظیم الشان اجلاس طلب فرمایا تو اس کا خطبہ صدارت شیخ الہند کو دینا تھا۔ حضرتؒ کو خود لکھنے کا موقع نہ تھا۔ اس لئے اپنے تلامذہ میں سے متعدد حضرات کو یہ خطبہ لکھنے پر مامور فرمایا۔

آپ کے متعدد تلامذہ نے اپنے اپنے انداز میں خطبہ لکھا لیکن بالآخر حضرتؒ نے جس خطبہ کو پسند اور منظور فرمایا وہ حضرت علامہ عثمانیؒ کا تحریر فرمودہ تھا۔ چنانچہ حضرت نے وہی خطبہ پڑھا اور وہی شائع بھی ہوا۔

۱۱۔ حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ حضرت علامہ عثمانیؒ کا رشتہ داری کا بھی تعلق تھا اور حضرت والد صاحبؒ آپ کے شاگرد بھی تھے اور پھر تحریک پاکستان کی جدوجہد میں آپ کے

دست و بازو بھی بنے رہے ان تمام رشتوں کے نتیجہ میں حضرت علامہ عثمانیؒ والد صاحب سے بہت محبت فرماتے تھے۔ اور آپ کی علمی و عملی صلاحیتوں کے معترف تھے۔ دو قومی نظریے کے بارے میں حضرت والد صاحبؒ نے ایک استفسار کے جواب میں جو مفصل رسالہ لکھا اس پر بطور تقریظ علامہ عثمانیؒ نے تحریر فرمایا۔

"میں نے اس فتوی کا بالا ستیعاب مطالعہ کیا' ماشاء اللہ مسئلہ کو بالکل صاف کردیا ہے اہل علم و نظر کے لئے گنجائش نہیں چھوڑی۔ سب اطراف و جوانب واضح ہو کر سامنے آگئے' میں حق تعالی سبحانہ مفتی صاحب کو جزائے خیر دے۔"

شبیر احمد عثمانی دیوبند

۱۸ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ (جواہر الفقہ) ص ۲۴۸ ج ۲)

اور حضرت والد صاحب کے رسالہ "نیل المآرب فی المسح علی الجوارب" پر تحریر فرماتے ہیں۔

میں نے مسح علی الجوربین کی بحث پڑھی' حق تعالی مفتی صاحبؒ کے اعمال اور علوم میں برکت دے' نہایت تحقیق و تفتیش سے جواب لکھا ہے' بہر حال میرے نزدیک مفتی صاحب کی تحقیق صحیح ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند' ص ۲۹۸' ۲۹۹ ج ۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ

1879-1957 1296-1377

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ حضرت والد صاحبؒ نے اگر چہ کوئی کتاب حضرت مدنیؒ سے نہیں پڑھی لیکن ہمیشہ آپ کو اپنے اساتذہ ہی کے درجہ میں سمجھا اور آپ کے ساتھ استاذ ہی کا معاملہ فرمایا جس زمانے میں حضرت والد صاحبؒ کو دار العلوم دیوبند میں فتوی کی خدمت سپرد کی گئی اس دور میں حضرت مدنیؒ صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے۔ اس لئے ان سے علمی مسائل میں استفادہ اور مشورہ کا سلسلہ بکثرت رہتا تھا۔

آزادی ہند کے طریقہ کار کے مسئلہ میں علماء دیوبند کے درمیان جو اختلاف رونما ہوا وہ ہر پڑھے لکھے شخص کو معلوم ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ مسلمانوں کیلئے ایک الگ مملکت ہونی چاہیے تاکہ وہاں مسلمان کسی غیر مسلم اکثریت کے اشتراک کے بغیر حکمرانی کر سکیں۔ اور وہاں پر اسلامی شریعت نافذ ہونے کے امکانات پیدا ہوں۔

دوسری طرف حضرت مدنیؒ اور بعض دوسرے علماء دیوبند بر صغیر کی تقسیم کو مسلمانوں کیلئے، خاص طور سے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کیلئے مضر سمجھتے تھے۔ اس لئے وہ تقسیم ملک کے خلاف تھے۔

قیام پاکستان سے ذرا پہلے دونوں نقطہ ہائے نظر کا اختلاف اپنے عروج پر تھا، لیکن یہ بھی ایک مثالی اختلاف تھا۔ دونوں فریق دیانت داری سے جس موقف کو اسلام اور مسلمانوں کے حق میں مفید سمجھتے تھے اس پر نہ صرف مضبوطی سے قائم تھے، بلکہ اس کی کامیابی کے لئے عملاً کوشاں تھے۔ اور اس مسئلہ میں چونکہ حضرت والد صاحبؒ کا موقف حضرت تھانویؒ اور حضرت علامہ عثمانیؒ کے موقف کے مطابق تھا اس لئے حضرت مدنیؒ سے رائے کا یہ اختلاف ناگزیر تھا۔ لیکن دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کا موقف چونکہ خلوص و للّٰہیت اور مسلمانوں کی خیر خواہی پر مبنی تھا اس لئے ان بزرگوں نے اختلاف کو اس کی حدود میں رکھنے کی وہ مثالیں قائم کی ہیں جو آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ بنی رہیں گی۔

حضرت مدنی قدس سرہ سے اس مسئلہ میں اختلاف کے باوجود حضرت والد صاحب قدس سرہ جس عظمت اور اجلال و اکرام کے ساتھ حضرت مدنیؒ کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے، قابل دید تھا۔ احقر کو کبھی یاد نہیں ہے کہ حضرت والد صاحب نے کبھی حضرت مدنیؒ سے اختلاف رائے کا ذکر فرمایا ہو اور اسی کے ساتھ آپ کے علمی و عملی کمالات کا اہتمام کے ساتھ تذکرہ نہ فرمایا ہو۔ چنانچہ حضرت مدنی قدس سرہ سے متعلق حضرت والد صاحب سے سنی ہوئی چند باتیں ذیل میں پیش خدمت ہیں۔

۱۔ فرمایا کہ جب حضرت مدنی قدس سرہ حدیث کا درس دینے کیلئے دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تو آپ نے دارالعلوم کے اساتذہ پر مشتمل ایک "مجلس علمی" قائم فرمائی۔ اس مجلس کا مقصد یہ ہوتا کہ اساتذہ باہم بیٹھ کر علمی مذاکرات کریں۔ اور جس استاذ کو کوئی علمی

اشکال پیش آیا ہو وہ سب کے سامنے رکھے۔ اور اس پر تبادلہ خیال کریں۔ چنانچہ معمول یہ تھا کہ ہر جمعرات کو تمام اساتذہ اپنے اپنے گھروں سے کھانا منگوا لیتے' اجتماعی طور سے کھانا بھی ہوتا اور علمی مسائل بھی زیر بحث رہتے تھے۔ یہ بڑی دل چسپ مجلس ہوتی تھی' جس میں اساتذہ کو ایک دوسرے کی معلومات سے استفادے کا موقع ملتا تھا۔ اور حضرت مدنی ؒ اس مجلس کی روح رواں ہوتے تھے۔

۲۔ حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مدنی ؒ کا یہ عظیم احسان میں کبھی نہیں بھول سکتا کہ انہوں نے مجھے علم حدیث کی طرف متوجہ فرمایا۔ اور اصرار کرکے مجھے حدیث کی تدریس پر آمادہ کیا۔ اس سے پہلے میں علوم آلیہ سے لے کر تفسیر اور فقہ تک ہر علم و فنون کی کتابیں دارالعلوم میں پڑھا چکا تھا۔ لیکن حدیث پڑھانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت والد صاحبؒ خود تحریر فرماتے ہیں۔

> "جب آپ سلہٹ میں تشریف رکھتے تھے تو وہاں حدیث پڑھانے کے لئے ایک مدرس کی ضرورت پیش آئی۔ مجھے والا نامہ تحریر فرما کر بلایا۔ میں نے عذر کیا کہ اس وقت تک دارالعلوم میں مجھے کبھی حدیث پڑھانے کا اتفاق نہیں ہوا۔
>
> اس پر تقاضا کا خط آیا کہ ایسا کیوں کیا؟ حدیث کی تعلیم کو ضروری سمجھو پھر دیوبند تشریف آوری کے وقت دوبارہ حکم دیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرتؒ جہاں استاذ محترم حضرت شاہ صاحبؒ درس حدیث دیتے ہوں' وہاں ایسا احمق کون ہوگا جو مجھ سے حدیث پڑھنے کو گوارا کرے گا؟
>
> فرمایا نہیں' کوئی نہ کوئی کتاب حدیث کی ضرور پڑھایا کرو! اور پھر بار بار اس کا تقاضہ فرمایا' بالآخر دارالعلوم کی طرف سے سب سے پہلے مؤطا امام مالک کا درس میرے سپرد ہوا۔ اور اس کے بعد دورہ حدیث کی دوسری کتابیں پڑھانے کی نوبت آئی۔" (نقوش و تاثرات ص ۲۳)

۳۔ حضرت والد صاحبؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ عام طور سے لوگوں نے حضرت مدنی ؒ کی صرف سیاسی جدوجہد کو ان کا اصل کمال سمجھ لیا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سالہا سال حضرت شیخ الہند قدس سرہ کی خدمت و صحبت میں رہنے کی جو توفیق عطا

فرمائی' انہوں نے اپنے شیخ ؒ کی خدمت اور عقیدت و محبت میں اپنے آپ کو جس طرح فنا کیا اور اپنی عام زندگی میں اپنے شیخ کے اوصاف و کمالات کو جس طرح منعکس کرنے کی کوشش کی' حضرت مدنی ؒ کی عظمت کے اس پہلو کو اتنا اجاگر نہیں کیا گیا جتنا اس کا حق تھا۔

۴۔ فرمایا کہ اگر چہ حضرت مدنی ؒ کو حضرت تھانویؒ کے سیاسی مسلک سے اختلاف تھا لیکن ان کے قلب میں نہ صرف حضرت تھانویؒ کی قدر و منزلت کم نہ تھی بلکہ وہ حضرت تھانویؒ کے ساتھ اپنے بڑوں جیسا معاملہ ہی فرماتے تھے۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ عین اس زمانے میں جب کہ حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنی ؒ کا سیاسی اختلاف الم نشرح ہو چکا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت مدنی ؒ نے دیوبند کے بعض اساتذہ سے کہا کہ۔ "عرصہ ہوا ہمارا تھانہ بھون جانا نہیں ہوا' اور حضرت تھانویؒ کی زیارت کو دل چاہتا ہے" چنانچہ حضرت مدنی ؒ اور دارالعلوم کے بعض دوسرے اساتذہ (جن میں شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کا اسم گرامی احقر کو یقینی طور پر یاد ہے' باقی کا نہیں) تھانہ بھون روانہ ہوئے۔ اتفاق سے گاڑی رات گئے تھانہ بھون پہنچی۔ اور یہ حضرات ایسے وقت خانقاہ کے دروازہ پر پہنچے کہ خانقاہ بند ہو چکی تھی۔ ان حضرات کو یہ معلوم تھا کہ خانقاہ کا نظام الاوقات مقرر ہے۔ اس لئے نہ اس نظام کی خلاف ورزی مناسب سمجھی اور نہ حضرت تھانویؒ کو رات گئے تکلیف دینا پسند آیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مدنی قدس سرہ کو بڑا جفاکش اور مجاہدانہ زندگی کا عادی بنایا تھا۔ چنانچہ آپ اپنے رفقاء سمیت خانقاہ کے دروازہ کے سامنے چبوترے ہی پر لیٹ کر سو گئے۔

حضرت تھانوی قدس سرہ فجر کی اذان کے وقت جب اپنے مکان سے خانقاہ کی طرف تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ لوگ باہر چبوترے پر لیٹے ہیں۔ اندھیرے میں صورتیں نظر نہ آئیں' چوکیدار سے پوچھا تو اس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ قریب پہنچ کر دیکھا تو حضرت مدنی ؒ اور حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ جیسے حضرات تھے۔

حضرت تھانوی نے اچانک انہیں دیکھا تو مسرور بھی ہوئے اور اس بات کا صدمہ بھی ہوا کہ یہاں پہنچ کر اس حالت میں انہوں نے رات گزاری۔ چنانچہ ان سے پوچھا کہ "حضرت! آپ یہاں کیوں سو گئے۔"

حضرت مدنی ؒ نے فرمایا کہ "ہمیں معلوم تھا کہ آپ کے یہاں ہر چیز کا نظم مقرر ہے خانقاہ اپنے مخصوص وقت پر بند ہو جاتی ہے اور پھر نہیں کھلتی" حضرت تھانویؒ نے فرمایا۔

"خانقاہ کا تو نظم بلا شبہ یہی ہے، لیکن غریب خانہ تو حاضر تھا اور اس پر تو آپ جیسے حضرات کیلئے کوئی پابندی نہ تھی" حضرت مدنی ؒ نے فرمایا کہ "ہم نے رات گئے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا۔"

غرض اس طرح یہ حضرات تھانہ بھون گئے۔ اور ایک دو روز رہ کر واپس تشریف لے آئے۔

حضرت والد صاحبؒ یہ واقعہ سنانے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ کوئی شخص اس للّٰہیت اور اس تواضع و مسکنت کی مثال پیش کر کے دکھائے۔ کہ عین اختلافات کے عالم میں بھی یہ حضرات کیسی سادگی، اور کیسی بے تکلفی، اور کیسی بے نفسی کے ساتھ ایک دوسرے سے پیش آتے تھے۔ اللہ اکبر!

۳۔ کپڑے کے وہ باریک موزے جو ثخین نہ ہوں، لیکن ان کے تلے پر چمڑا چڑھا ہوا ہو۔ جنہیں فقہاء رقیق منعل کہتے ہیں۔ ان پر مسح کے جواز میں فقہائے حنفیہ کا کچھ اختلاف رہا ہے۔ اس مسئلہ میں حضرت والد صاحبؒ کا فتویٰ یہ تھا کہ ان پر مسح جائز نہیں (جس کے تفصیلی دلائل کے لئے والد صاحبؒ نے ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے جو فتاوی دار العلوم دیوبند میں شائع ہو چکا ہے) لیکن حضرت مدنیؒ کا رجحان جواز کی طرف تھا۔ اس مسئلہ پر زبانی گفتگو تو کئی بار ہوئی لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ ایک دن حضرت مدنی قدس سرہ نے فرمایا کہ اس مسئلہ کی تحقیق کیلئے میں کچھ وقت فارغ کر کے دار الافتاء میں آؤں گا۔ چنانچہ ایک دن حضرت تشریف لائے اور کتابوں کی مراجعت کر کے گفتگو ہوتی رہی۔ حضرت مدنی نے اپنے دلائل بیان فرمائے اور میں اپنے شبہات پیش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ گفتگو تین روز کے قریب چلی۔ اور آخر میں حضرت مدنی قدس سرہ نے فرمایا کہ۔ بات آپ کی بھی بے وزن نہیں ہے لیکن میرا اس پر انشراح نہیں ہوتا۔ اور آپ کو میرے دلائل پر اطمینان نہیں ہو رہا۔ اس لئے آپ اپنے موقف پر رہیں اور میں اپنے موقف پر۔"

حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے کچھ عرصہ کے بعد ایک مرتبہ حضرت مدنی قدس سرہ میرے بہنوئی مولانا نبیہہ حسن صاحبؒ کے مکان پر تشریف لائے میں بھی حاضر تھا۔ حضرتؒ اس وقت ایسے ہی موزے (یعنی رقیق منعل) پہنے ہوئے تھے۔ مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو حضرت مدنی قدس سرہ نے ان موزوں پر مسح فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ

"مفتی صاحب! آپ کے نزدیک تو یہ مسح درست نہیں ہوا' اس لئے میرے پیچھے آپ کی نماز بھی نہ ہوگی۔ اب آپ ہی امامت فرمائیں" حضرت کے ارشاد پر میں نے بھی تکلف نہیں کیا اور اس روز خود امامت کی۔

حضرت والد صاحبؒ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ ان حضرات نے اختلاف کرنے کا طریقہ بھی اپنے عمل سے سکھایا ہے۔

۴۔ حضرت والد صاحبؒ نے جب "سیرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم" تالیف فرمائی۔ تو حضرت والد صاحبؒ نے حضرت مدنی کی خدمت میں پیش کی۔ اس کے بعد جب دوسرا ایڈیشن طبع ہونے لگا تو حضرت مدنیؒ اس وقت سلہٹ میں مقیم تھے۔ حضرت والد صاحبؒ نے دوبارہ کتاب کا ایک نسخہ ان کی خدمت میں ارسال فرمایا۔ حضرت مدنی قدس سرہ نے اس پر ایک مکتوب میں بطور تقریظ ارشاد فرمایا کہ۔

> "میں آپ کے رسالہ کے پہلے ہی ایڈیشن کو حرفاً حرفاً دیکھ چکا ہوں اور نہایت موزوں پا کر نصاب میں داخل کرچکا ہوں۔ عنقریب اس کے متعلق ایک جلسہ کمرلاء میں منعقد ہوگا۔ اور یہ نصاب انشاءاللہ تمام صوبہ بنگال و آسام کے قومی مدارس کیلئے معمول بہ ہوگا۔ بقیہ حصص جلد تکمیل کے درجہ کو پہنچنے چاہئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب مولانا تھانوی دامت برکاتہم اور دیگر بزرگوں کی تحریرات کے بعد ہم جیسے ناکاروں کا کچھ بھی لکھنا منہ چڑانا اور سخت بے ادبی ہے۔"

○

اکابر دیوبند کیا تھے؟

اس کا جواب مختصر لفظوں میں یوں بھی دیا جاسکتا ہے کہ وہ خیر القرون کی یادگار تھے' سلف صالحین کا نمونہ تھے' اسلامی مزاج و مذاق کی جیتی جاگتی تصویر تھے' لیکن ان مختصر جملوں کی تشریح و تفصیل کرنے بیٹھیں تو اس کے لیے دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان کی خصوصیات کو لفظوں میں سمیٹنا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہے۔ اس لیے کہ ان کی خصوصیات کا تعلق درحقیقت اس مزاج و مذاق سے ہے جو صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم) کی سیرتوں اور ان کے طرز زندگی سے مستنیر تھا اور مزاج و مذاق وہ چیز ہے جسے محسوس تو کیا جاسکتا ہے لیکن الفاظ کے ذریعہ ٹھیک ٹھیک بیان نہیں کیا جاسکتا' جس طرح گلاب کی خوشبو کو سونگھا تو جاسکتا ہے لیکن اس کی پوری کیفیت کو الفاظ میں ڈھالنا ممکن نہیں۔ اسی طرح ان حضرات کے مزاج و مذاق کو ان کی صحبتوں اور ان کے واقعات سے سمجھا جاسکتا ہے مگر اس کی منطقی تعبیر ناممکن ہے۔

لہٰذا اس مضمون میں اکابر دیوبند کی خصوصیات و امتیازات کو نظری طور سے بیان کرنے کے بجائے ان کے چند متفرق واقعات سنانے مقصود ہیں جن سے ان کی خصوصیات زیادہ واضح اور آسان طریقے سے سمجھ میں آسکیں گی۔ وباللہ التوفیق

علم و فضل اور اس کے ساتھ تواضع و للّٰہیت

اگر صرف وسعت مطالعہ' قوت استعداد اور کثرت معلومات کا نام علم ہو تو یہ صفت آج بھی ایسی کمیاب نہیں لیکن اکابر دیوبند کی خصوصیت یہ ہے کہ علم و فضل کے سمندر سینے میں جذب کرلینے کے باوجود ان کی تواضع و فنائیت اور للّٰہیت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ یہ محاورہ زبان زد عام ہے کہ "پھلوں سے لدی ہوئی شاخ ہمیشہ جھکتی ہے۔" لیکن ہمارے زمانے میں

اس محاورے کا عملی مظاہرہ جتنا اکابر دیوبند کی زندگی میں نظر آتا ہے اور کہیں نہیں ملتا۔ چند واقعات ملاحظہ فرمائیے : ۔

۱ ۔ بانئ دارالعلوم دیوبند حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کے علوم بحر ناپیدا کنار تھے۔ ان کی تصانیف آب حیات' تقریر دلپذیر' قاسم العلوم' اور مباحثہ شاہ جہاں پور وغیرہ سے ان کے مقام بلند کا کچھ اندازہ ہوتا ہے اور ان میں سے بعض تصانیف تو ایسی ہیں کہ اچھے اچھے علماء کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ حد یہ ہے کہ ان کے ہم عصر بزرگ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کا یہ جملہ دارالعلوم میں معروف تھا کہ "میں نے آب حیات کا چھ مرتبہ مطالعہ کیا ہے۔ اب وہ کچھ کچھ سمجھ میں آئی ہے۔"

اور حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں کہ :

> "اب بھی مولانا (نانوتویؒ) کی تحریریں میری سمجھ میں نہیں آتیں اور زیادہ غور و خوض کی مشقت مجھ سے برداشت ہوتی نہیں۔ اس لیے مستفید ہونے سے محروم رہتا ہوں اور اپنے دل کو یوں سمجھالیتا ہوں کہ ضروریات کا علم حاصل کرنے کے لئے اور سہل سہل کتابیں موجود ہیں پھر کیوں مشقت اٹھائی جائے۔" [1]

ایسے وسیع و عمیق علم کے بعد' بالخصوص جب کہ اس پر عقلیات کا غلبہ ہو' عموماً علم و فضل کا زبردست پندار پیدا ہو جایا کرتا ہے لیکن حضرت نانوتویؒ کا حال یہ تھا کہ خود فرماتے ہیں :

> "جس طرح صوفیوں میں بدنام ہوں اسی طرح مولویت کا دعوہ بھی مجھ پر لگا ہوا ہے' اس لیے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے' اگر مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسم کی خاک کا بھی پتہ نہ چلتا۔" [2]

چنانچہ ان کی بے نفسی کا عالم یہ تھا کہ بقول مولانا احمد حسن صاحب امروہوی رحمتہ اللہ علیہ :

> "حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ جس طالب علم کے اندر تکبر دیکھتے تھے اس سے کبھی کبھی جوتے اٹھوایا کرتے تھے اور جس کے اندر تواضع

---

[1] اشرف السوانح ص ۱۳۶، ۱۳۷ ج ۱ [2] ارواح ثلاثہ ۱۷۶ نمبر ۲۳۰

دیکھتے تھے اس کے جوتے خود اٹھالیا کرتے تھے۔" [1]

۲ ۔ یہی حال حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کا تھا۔ انہیں ان کے تفقہ کے مقام بلند کی بناء پر حضرت مولانا نانوتویؒ نے "ابو حنیفہ عصر" کا لقب دیا تھا اور وہ اپنے عہد میں اسی لقب سے معروف تھے۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ جیسے بلند پایہ محقق جو علامہ شامیؒ کو "فقیہ النفس" کا مرتبہ دینے کے لیے تیار نہ تھے' حضرت گنگوہیؒ کو "فقیہ النفس" فرمایا کرتے تھے۔ ان کے بارے میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ واقعہ سناتے ہیں کہ :

"حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے کہ بارش آگئی۔ سب طلباء کتابیں لے لے کر اندر کو بھاگے مگر مولانا سب طلباء کی جوتیاں جمع کر رہے تھے کہ اٹھا کر لے چلیں۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو کٹ گئے" [2]

۳ ۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کے علم و فضل کا کیا ٹھکانہ؟ لیکن حضرت تھانویؒ راوی ہیں کہ "ایک مرتبہ مراد آباد تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے وعظ کہنے کے لیے اصرار کیا۔ مولاناؒ نے عذر فرمایا کہ مجھے عادت نہیں ہے مگر لوگ نہ مانے تو اصرار پر وعظ کے لیے کھڑے ہوگئے اور حدیث **"فقیہ واحد اشد علی الشیطن من الف عابد"** پڑھی اور اس کا ترجمہ یہ کیا کہ :

"ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔"

مجمع میں ایک مشہور عالم موجود تھے۔ انہوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ :

"یہ ترجمہ غلط ہے اور جس کو ترجمہ بھی صحیح کرنا نہ آوے اس کو وعظ کہنا جائز نہیں۔"

حضرت شیخ الہندؒ کا جوابی رد عمل معلوم کرنے سے پہلے ہمیں چاہیے کہ ذرا دیر گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں کہ اگر ان کی جگہ ہم ہوتے تو کیا کرتے؟ ترجمہ صحیح تھا اور ان صاحب کا انداز بیان توہین آمیز ہی نہیں' اشتعال انگیز بھی تھا۔ لیکن اس شیخ وقت کا طرز عمل سنئے' حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر :

---

[1] ارواح ثلاثہ ص ۲۰۶ ۲۸۸ [2] ایضاً ص ۲۲۷ ۳۳۸

مولانا فوراً بیٹھ گئے اور فرمایا کہ "میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے مگر ان لوگوں نے نہیں مانا۔ خیر اب میرے پاس عذر کی دلیل بھی ہوگئی، یعنی آپ کی شہادت۔"

چنانچہ وعظ تو پہلے ہی ختم فرمادیا۔ اس کے بعد ان عالم صاحب نے بطرز استفادہ پوچھا کہ "غلطی کیا ہے؟ تاکہ آئندہ بچوں" انہوں نے فرمایا کہ اشد کا ترجمہ اثقل (زیادہ بھاری) نہیں بلکہ اضر (زیادہ نقصان دہ) کا آتا ہے۔" مولاناؒ نے برجستہ فرمایا کہ حدیث وحی میں ہے یاتینی مثل صلصلة الجرس وھو اشد علیّ (کبھی مجھ پر وحی گھنٹیوں کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر سب سے زیادہ بھاری ہوتی ہے۔) کیا یہاں بھی اضر (زیادہ نقصان دہ) کے معنی ہیں؟ اس پر وہ صاحب دم بخود رہ گئے۔ [1]

۴ ۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ جب کانپور میں مدرس تھے۔ انہوں نے مدرسہ کے جلسہ کے موقع پر اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کو بھی مدعو کیا۔ کانپور میں بعض اہل علم معقولات کی مہارت میں معروف تھے اور کچھ بدعات کی طرف بھی مائل تھے۔ ادھر علمائے دیوبند کی زیادہ توجہ چونکہ خالص دینی علوم کی طرف رہتی تھی۔ اس لیے یہ حضرات یوں سمجھتے تھے کہ علمائے دیوبند کو معقولات میں کوئی درک نہیں ہے۔ حضرت تھانویؒ اس وقت نوجوان تھے اور ان کے دل میں حضرت شیخ الہندؒ کو مدعو کرنے کا ایک داعیہ یہ بھی تھا کہ یہاں حضرتؒ کی تقریر ہوگی تو کانپور کے ان علماء کو پتہ چلے گا کہ علمائے دیوبند کا علمی مقام کیا ہے اور وہ منقولات و معقولات دونوں میں کیسی کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ جلسہ منعقد ہوا اور حضرت شیخ الہندؒ کی تقریر شروع ہوئی۔ حسن اتفاق سے تقریر کے دوران کوئی معقولی مسئلہ زیر بحث آگیا۔ اس وقت تک وہ علماء جن کو حضرت تھانویؒ شیخ الہندؒ کی تقریر سنانا چاہتے تھے، جلسہ میں نہیں آئے تھے۔ جب حضرتؒ کی تقریر شباب پر پہنچی اور اس معقولی مسئلہ کا انتہائی فاضلانہ بیان ہونے لگا تو وہ علماء تشریف لے آئے جن کا حضرت تھانویؒ کو انتظار تھا۔ حضرت تھانویؒ اس موقع پر بہت مسرور ہوئے کہ اب ان حضرات کو شیخ الہندؒ کے علمی مقام کا اندازہ ہوگا۔ لیکن ہوا یہ کہ جوں ہی حضرت شیخ الہندؒ نے ان علماء کو دیکھا۔ تقریر کو مختصر کرکے فوراً ختم کردیا اور بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ موجود تھے،

---

[1] ارواح ثلاثہ ص ۲۸۶ ۴۳۶

انہوں نے یہ دیکھا تو تعجب سے پوچھا کہ :

"حضرت! اب تو تقریر کا اصل وقت آیا تھا' آپ بیٹھ کیوں گئے؟"

شیخ الہندؒ نے جواب دیا : "ہاں دراصل یہی خیال مجھے بھی آگیا تھا۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ مشہور ہے کہ کسی یہودی نے ان کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی گستاخی کردی تھی تو وہ اس پر چڑھ دوڑے اور اسے زمین پر گرا کر اس کے سینے پر سوار ہوگئے۔ یہودی نے جب اپنے آپ کو بے بس پایا تو کھسیانا ہو کر اس نے حضرت علیؓ کے روئے مبارک پر تھوک دیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضرت علیؓ اس کو چھوڑ کر فوراً الگ ہوگئے اور پوچھنے پر بتایا کہ میں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی بناء پر اس یہودی سے الجھا تھا۔ اگر تھوکنے کے بعد کوئی کارروائی کرتا تو یہ اپنے نفس کی مدافعت ہوتی۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے اس عمل سے حضرت علیؓ کی یہ سنت تازہ فرمادی۔ مطلب یہی تھا کہ اب تک تو تقریر نیک نیتی سے خالص اللہ کے لیے ہو رہی تھی لیکن یہ خیال آنے کے بعد اپنا علم جتانے کے لیے ہوتی' اس لیے اسے روک دیا۔ [1]

۵ - مدرسہ معینیہ اجمیر کے معروف عالم حضرت مولانا محمد معین الدین صاحب معقولات کے مسلّم عالم تھے۔ انہوں نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کی شہرت سن رکھی تھی' ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا تو ایک مرتبہ دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہندؒ کے مکان پر پہنچ گئے۔ گرمی کا موسم تھا۔ وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو صرف بنیان اور تہبند پہنے ہوئے تھے۔ مولانا معین الدین صاحبؒ نے ان سے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ "مجھے حضرت مولانا محمود حسن صاحب سے ملنا ہے۔" وہ صاحب بڑے تپاک سے مولانا اجمیریؒ کو اندر لے گئے' آرام سے بٹھایا اور کہا کہ "ابھی ملاقات ہو جاتی ہے۔" مولانا اجمیریؒ منتظر رہے' اتنے میں وہ شربت لے آئے اور مولانا کو پلایا۔ اس کے بعد مولانا اجمیریؒ نے کہا "حضرت مولانا محمود حسن صاحب کو اطلاع دیجئے۔" ان صاحب نے

---

[1] یہ واقعہ مذکورہ تفصیل کے ساتھ احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے اور انہوں نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے اور اسی کا خلاصہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حیات شیخ الہندؒ ص ۱۶۷ میں بھی کیا ہے۔

فرمایا" آپ بے فکر رہیں اور آرام سے تشریف رکھیں" تھوڑی دیر بعد وہ صاحب کھانا لے آئے اور کھانے پر اصرار کیا' مولانا اجمیریؒ نے کہا کہ "میں مولانا محمود حسن صاحب سے ملنے آیا ہوں' آپ انہیں اطلاع کردیجئے۔" ان صاحب نے فرمایا "انہیں اطلاع ہوگئی ہے آپ کھانا تناول فرمائیں ابھی ملاقات ہوجاتی ہے۔" مولانا اجمیریؒ نے کھانا کھالیا تو ان صاحب نے انہیں پنکھا جھلنا شروع کردیا۔ جب دیر گذر گئی تو مولانا اجمیریؒ برہم ہوگئے اور فرمایا کہ آپ میرا وقت ضائع کررہے ہیں۔ میں مولانا سے ملنے آیا تھا اور اتنی دیر ہوچکی ہے' ابھی تک آپ نے ان سے ملاقات نہیں کرائی۔ اس پر وہ صاحب بولے کہ :

"دراصل بات یہ ہے کہ یہاں مولانا تو کوئی نہیں' البتہ محمود خاکسار ہی کا نام ہے۔"

مولانا معین الدین صاحب یہ سن کر ہکّا بکّا رہ گئے اور پتہ چل گیا کہ حضرت شیخ الہندؒ کیا چیز ہیں؟ [1]

۶ ۔ امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمتہ اللہ علیہ علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اپنی ایک مجلس میں نقل کیا کہ ایک عیسائی فیلسوف نے لکھا ہے کہ "اسلام کی حقانیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ غزالیؒ جب محقق اور مدقق اسلام کو حق سمجھتا ہے۔" یہ واقعہ بیان کرکے حکیم الامتؒ نے فرمایا "میں کہتا ہوں کہ میرے زمانے میں مولانا انور شاہ صاحبؒ کا وجود اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے کہ ایسا محقق اور مدقق عالم اسلام کو حق سمجھتا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے۔" [2]

انہی حضرت شاہ صاحبؒ کا واقعہ حضرت مولانا محمد انوری صاحبؒ بیان فرماتے ہیں کہ

---

[1] یہ واقعہ احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے اور انہوں نے اپنے ایک ہم سبق عالم مولانا مغیث الدین صاحب سے سنا تھا جو دیوبند سے فارغ ہو کر معقولات پڑھنے کے لئے اجمیر چلے گئے تھے اور آخر میں مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے۔ لیکن چونکہ واقعہ سنے ہوئے کافی عرصہ ہوگیا تھا اس لئے چند سال پہلے حضرت والد صاحب مدظلہم نے ان سے حرم نبویؐ میں اس کی تصدیق فرمائی۔

[2] حیات انور ص ۱۹۹ بروایت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

مقدمہ بہاولپور کے موقع پر جب حضرت شاہ صاحبؒ نے قادیانیوں کے کفر پر بے نظیر تقریر فرمائی اور اس میں یہ بھی فرمایا کہ "جو چیز دین میں تواتر سے ثابت ہو اس کا منکر کافر ہے۔" تو قادیانیوں کے گواہ نے اس پر اعتراض کیا :

"آپ کو چاہئے کہ امام رازیؒ پر کفر کا فتویٰ دیں، کیونکہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں علامہ بحر العلومؒ نے لکھا ہے کہ امام رازیؒ نے تواتر معنوی کا انکار کیا ہے۔"

اس وقت بڑے بڑے علماء کا مجمع تھا، سب کو پریشانی ہوئی کہ فواتح الرحموت اس وقت پاس نہیں ہے۔ اس اعتراض کا جواب کس طرح دیا جائے؟ مولانا محمد انوریؒ جو اس واقعے کے وقت موجود تھے، فرماتے ہیں :

"ہمارے پاس اتفاق سے وہ کتاب نہ تھی۔ مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارنپور اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ حیران تھے کہ کیا جواب دیں گے؟"

لیکن اسی حیرانی کے عالم میں حضرت شاہ صاحبؒ کی آواز گونجی :

"جج صاحب! لکھئے، میں نے بتیس سال ہوئے یہ کتاب دیکھی تھی، اب ہمارے پاس یہ کتاب نہیں ہے۔ امام رازیؒ دراصل یہ فرماتے ہیں کہ حدیث لا تجتمع امتی علی الضلالۃ تواتر معنوی کے رتبے کو نہیں پہنچی، لہٰذا انہوں نے اس حدیث کے متواتر معنوی ہونے کا انکار فرمایا ہے، نہ کہ تواتر معنوی کے حجت ہونے کا۔ ان صاحب نے حوالہ پیش کرنے میں دھوکے سے کام لیا ہے۔ ان کو کہو کہ عبارت پڑھیں، ورنہ میں ان سے کتاب لے کر عبارت پڑھتا ہوں۔"

چنانچہ قادیانی شاہد نے عبارت پڑھی۔ واقعی اس کا مفہوم وہی تھا جو حضرت شاہ صاحبؒ نے بیان فرمایا۔ مجمع پر سکتہ طاری ہوگیا اور حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا :

"جج صاحب! یہ صاحب ہمیں مفحم (لاجواب) کرنا چاہتے ہیں۔ میں چونکہ طالب علم ہوں، میں نے دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں، میں ان شاء اللہ مفحم

نہیں ہونے کا۔" [1]

ایک طرف علم و فضل اور قوت حافظہ کا یہ محیر العقول کارنامہ دیکھیے کہ بتیس سال پہلے دیکھی ہوئی کتاب کا ایک جزوی حوالہ کتنی جزرسی کے ساتھ یاد رہا' دوسری طرف اس موقع پر کوئی اور ہوتا تو نہ جانے کتنے بلند بانگ دعوے کرتا' لیکن خط کشیدہ جملہ ملاحظہ فرمایئے کہ وہ تواضع کے کس مقام کی غمازی کر رہا ہے؟ اور یہ محض لفظ ہی نہیں ہیں وہ واقعۃً اپنے تمام کمالات کے باوصف اپنے آپ کو ایک معمولی طالب علم سمجھتے تھے اور اس دعائے نبویؐ کے مظہر تھے کہ اللھم اجعلنی فی عینی صغیرا وفی اعین الناس کبیرا۔

۶ ۔ حضرت مولانا محمد انوریؒ ہی راوی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت شاہ صاحبؒ کشمیر تشریف لے جا رہے تھے' بس کے انتظار میں سیالکوٹ اڈے پر تشریف فرما تھے' ایک پادری آیا اور کہنے لگا کہ آپ کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بڑے عالم دین ہیں۔ فرمایا "نہیں! میں طالب علم ہوں۔" اس نے کہا "آپ کو اسلام کے متعلق علم ہے؟" فرمایا "کچھ کچھ۔" پھر ان کی صلیب کے متعلق فرمایا کہ "تم غلط سمجھے ہو۔ اس کی یہ شکل نہیں ہے۔" پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر چالیس دلائل دیئے' دس قرآن سے' دس تورات سے' دس انجیل سے اور دس عقلی۔ وہ پادری آپ کی تقریر سن کر کہنے لگا کہ اگر مجھے اپنے مفادات کا خیال نہ ہوتا تو میں مسلمان ہو جاتا۔ نیز یہ کہ مجھے خود اپنے مذہب کی بہت سی باتیں آپ سے معلوم ہوئیں۔ [2]

۷ ۔ احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم نے بار بار یہ واقعہ بیان فرمایا کہ جب میں دار العلوم دیوبند میں ملّا حسن پڑھاتا تھا تو ایک روز اس کی عبارت پر کچھ شبہ ہوا جو حل نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ حضرت شاہ صاحبؒ سے اس کے بارے میں استفسار کرنا چاہئے چنانچہ میں کتاب لے کر ان کی تلاش میں نکلا' وہ اپنی جگہ پر نہیں تھے' اور جب وہ اپنی جگہ پر نہ ہوں تو ان کا کتب خانہ میں ہونا متعین تھا۔ میں کتب خانہ میں پہنچا تو وہ کتب خانے کی بالائی گیلری میں بیٹھے مطالعہ میں مشغول تھے۔ میں ابھی نیچے ہی تھا کہ انہوں

---

[1] انوار انوری' مؤلفہ مولانا محمد انوریؒ ص ۳۲

[2] انوار انوری' مولفہ مولانا محمد انوریؒ ص ۳۶

نے مجھے دیکھ لیا اور اوپر ہی سے میرے آنے کی وجہ پوچھی۔ میں نے عرض کیا کہ "ملا حسن کے ایک مقام پر کچھ اشکال ہے وہ سمجھنا تھا۔" وہیں بیٹھے بیٹھے فرمایا "عبارت پڑھیئے" میں نے عبارت پڑھنی شروع کی تو بیچ ہی میں روک کر فرمایا : "اچھا! یہاں آپ کو یہ شبہ ہوا ہوگا" اور پھر بعینہٖ وہی اشکال دہرادیا جو میرے دل میں تھا۔ میں نے تصدیق کی کہ واقعی یہی شبہ ہے۔ اس پر انہوں نے اس کے جواب میں وہیں سے ایسی تقریر فرمائی کہ تمام اشکال کافور ہوگئے۔

اب ظاہر ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ عرصہ دراز سے حدیث کی تدریس میں مصروف تھے اور منطق کی کتابوں سے واسطہ تقریباً ختم ہوگیا تھا لیکن اس کے باوجود یہ حافظہ اور یہ استحضار کرشمۂ قدرت نہیں تو اور کیا ہے؟

۸ ۔ احقر نے اپنے والد ماجد سے بھی سنا ہے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہم سے بھی کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ۱۳۲۱ھ میں علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ کی مشہور شرح ہدایہ "فتح القدیر" اور اس کے تکملہ کا مطالعہ بیس سے کچھ زائد ایام میں کیا تھا اور کتاب الحج تک اس کی تلخیص لکھی تھی اور انہوں نے صاحب ہدایہ پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کا جواب بھی لکھا تھا۔ اس کے بعد مدت العمر "فتح القدیر" کی مراجعت کی ضرورت نہیں پڑی اور کسی تازہ مطالعہ کے بغیر اس کی نہ صرف باتوں بلکہ طویل عبارتوں تک کا حوالہ سبق میں دیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا بنوری مدظلہم فرماتے ہیں کہ انہوں نے ۱۳۴۷ھ میں ہم سے یہ واقعہ بیان کیا اور فرمایا :

"چھبیس سال ہوئے پھر مراجعت کی ضرورت نہیں پڑی اور جو مضمون اس کا بیان کروں گا اگر مراجعت کروگے تو تفاوت کم پاؤ گے۔" [1]

۹ ۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہم حضرت شاہ صاحبؒ کے شاگرد ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ درس سے فراغت کے بعد میں جب بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو پہلے سے لکھے ہوئے متعدد سوالات کے جواب ان سے معلوم کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ کی حاضری میں ترمذی شریف کی ایک عبارت کا حوالہ میں نے دیا اور عرض کیا کہ اس عبارت میں یہ اشکال ہے، بہت غور کیا لیکن حل نہیں ہوسکا۔ فرمایا "مولوی صاحب! آپ کو

---

[1] نفحۃ العنبر ص ۲۷ طبع مجلس علمی کراچی۔

یاد نہیں رہا' مجھے خوب یاد ہے کہ جس سال آپ دورہ میں تھے' اس موقع پر میں نے بتایا تھا کہ یہاں ترمذی کے اکثر نسخوں میں ایک غلطی واقع ہو گئی ہے لیکن لوگ سرسری طور پر گزر جاتے ہیں اور انہیں پتہ نہیں چلتا' ورنہ یہ اشکال سب کو پیش آنا چاہئے۔" پھر فرمایا کہ "صحیح عبارت اس طرح ہے۔" مولانا نعمانی مدظلہم لکھتے ہیں :

"اللہ اکبر! یہ بات بھی یاد رہتی تھی کہ فلاں سال اس موقع پر سبق میں یہ بات فرمائی تھی۔" [1]

۱۰ ۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ مجھے اپنی ایک تصنیف کے سلسلہ میں ابوالحسن کذاب کے حالات کی ضرورت تھی' مجھے ان کی تاریخ نہ ملی۔ چنانچہ میں حسب معمول حضرت شاہ صاحبؒ کے در دولت پر پہنچ گیا۔ اس وقت مرض وفات اپنی آخری حد پر پہنچ چکا تھا اور دو تین ہفتے بعد وصال ہونے والا تھا۔ کمزور بے حد ہو چکے تھے' ابتدائی گفتگو کے بعد میں نے آنے کی غرض بتائی تو انہوں نے فرمایا کہ ادب اور تاریخ کی کتابوں میں فلاں فلاں مواقع کا مطالعہ کر لیجئے! اور تقریباً آٹھ دس کتابوں کے نام لے دیئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے تو کتابوں کے اتنے اسماء یاد بھی نہ رہیں گے۔ نیز انتظامی مہمات کے بکھیڑوں میں اتنی فرصت بھی نہیں کہ چند جزوی مثالوں کے لیے اتنا طویل و عریض مطالعہ کروں۔ بس آپ ہی اس شخص کی دروغ گوئی کے متعلقہ واقعات کی دو چار مثالیں بیان فرمادیں' میں انہی کو آپ کے حوالہ سے جز و کتاب بنادوں گا۔ اس پر مسکرا کر ابوالحسن کذاب کی تاریخ اس کے سن ولادت سے سن وار بیان فرمانی شروع کر دی جس میں اس کے جھوٹ کے عجیب و غریب واقعات بیان فرماتے رہے۔ آخر میں سن وفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شخص مرتے مرتے بھی جھوٹ بول گیا پھر اس جھوٹ کی تفصیل بیان فرمائی۔

حیرانی یہ تھی کہ یہ بیان اس طرز سے ہو رہا تھا کہ گویا حضرت ممدوح نے آج کی شب میں مستقلاً اسی کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے جو اس بسط سے سن وار واقعات بیان فرما رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے تعجب آمیز لہجے میں عرض کیا کہ "حضرت! شاید کسی قریبی زمانے ہی میں اس کی تاریخ دیکھنے کی نوبت آئی ہوگی"؟ سادگی سے فرمایا "جی نہیں! آج سے تقریباً چالیس سال کا عرصہ ہوتا ہے جب میں معمر گیا ہوا تھا۔ خدیوی کتب خانہ میں مطالعہ کے لیے پہنچا تو

---

[1] حیات انور ص ۳۹۱

اتفاقاً اسی ابوالحسن کذاب کا ترجمہ سامنے آگیا اور اس کا مطالعہ دیر تک جاری رہا' بس اسی وقت جو باتیں کتاب میں دیکھیں حافظہ میں محفوظ ہو گئیں اور آج آپ کے سوال پر مستحضر ہو گئیں جن کا میں نے اس وقت تذکرہ کیا۔" [1]

۱۱ ۔ یہی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ تحریک خلافت کے دور میں جب امارت شرعیہ (عوام کی طرف سے قاضی مقرر کرنے) کا مسئلہ چھڑا تو مولوی سبحان اللہ خان صاحب گورکھپوری نے اپنے بعض نقاط نظر کی تائید میں بعض سلف کی عبارت پیش کی جو ان کے نقطہ نظر کی تو مؤید تھی مگر مسلک جمہور کے خلاف تھی' یہ عبارت وہ لے کر خود دیوبند تشریف لائے اور مجمع علماء میں اسے پیش کیا۔ تمام اکابر دارالعلوم حضرت شاہ صاحبؒ کے کمرے میں جمع تھے۔ حیرانی یہ تھی کہ نہ اس عبارت کو رد ہی کر سکتے تھے کہ وہ سلف میں سے ایک بڑی شخصیت کی عبارت تھی اور نہ اسے قبول ہی کر سکتے تھے کہ مسلک جمہور کے صراحۃً خلاف تھی۔ یہ عبارت اتنی واضح اور صاف تھی کہ اسے کسی تاویل و توجیہہ سے بھی مسلک جمہور کے مطابق نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ استنجاء کے لیے تشریف لے گئے ہوئے تھے وضو کر کے واپس ہوئے تو اکابر نے عبارت اور مسلک کے تعارض کا تذکرہ کیا اور یہ کہ ان دونوں باتوں میں تطبیق بن نہیں پڑتی۔ حضرت ممدوحؒ حسب عادت "حسبنا اللہ" کہتے ہوئے بیٹھ گئے اور عبارت کو ذرا غور سے دیکھ کر فرمایا کہ اس عبارت میں جعل اور تصرف کیا گیا ہے اور دو سطروں کو ملا کر ایک کر دیا گیا ہے۔ درمیان کی ایک سطر چھوڑ دی گئی ہے۔ اسی وقت کتب خانہ سے کتاب منگائی گئی۔ دیکھا تو واقعی اصل عبارت میں سے پوری ایک سطر درمیان سے حذف ہوئی تھی۔ جوں ہی اس سطر کو عبارت میں شامل کیا گیا عبارت کا مطلب مسلک جمہور کے موافق ہو گیا اور سب کا تحیر رفع ہو گیا۔ [2]

۱۲ ۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہم فرماتے ہیں کہ طلاق کے ایک مسئلہ میں کشمیر کے علماء میں اختلاف ہو گیا۔ فریقین نے حضرت شاہ صاحبؒ کو حکم بنایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے دونوں کے دلائل غور سے سنے۔ ان میں سے ایک فریق اپنے مؤقف پر فتاوی

---

[1] حیات انور ص ۲۲۵ تا ۲۲۸

[2] حیات انور ص ۲۲۹، ۲۳۰

عمادیہ کی ایک عبارت سے استدلال کر رہا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا :

"میں نے دار العلوم کے کتب خانہ میں فتاویٰ عمادیہ کے ایک صحیح قلمی نسخہ کا مطالعہ کیا ہے۔ اس میں یہ عبارت ہرگز نہیں ہے لہٰذا یا تو ان کا نسخہ غلط ہے یا یہ لوگ کوئی مغالطہ انگیزی کر رہے ہیں۔" [1]

ایسے علم و فضل اور ایسے حافظہ کا شخص اگر بلند بانگ دعوے کرنے لگے تو کسی درجہ میں اس کو حق پہنچ سکتا ہے لیکن حضرت شاہ صاحبؒ اس قافلہ رشد و ہدایت کے فرد تھے جس نے من تواضع للہ کی حدیث کا عملی پیکر بن کر دکھایا تھا۔ چنانچہ اسی واقعہ میں جب انہوں نے حضرت مولانا بنوری مدظلہم کو اپنا فیصلہ لکھنے کا حکم دیا تو انہوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کے نام کے ساتھ "ا لحبر البحر" (عالم متبحر) کے دو تعظیمی لفظ لکھ دیئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے دیکھا تو قلم ہاتھ سے لے کر زبردستی خود یہ الفاظ مٹائے اور غصہ کے لہجے میں مولانا بنوری سے فرمایا :

"آپ کو صرف مولانا محمد انور شاہ لکھنے کی اجازت ہے" [2]

پھر ایسا شخص جو ہمہ وقت کتابوں ہی میں مستغرق رہتا ہو' اس کا یہ جملہ ادب و تعظیم کتب کے کس مقام کی نشان دہی کرتا ہے کہ :

"میں مطالعہ میں کتاب کو اپنا تابع کبھی نہیں کرتا' بلکہ ہمیشہ خود کتاب کے تابع ہو کر مطالعہ کرتا ہوں۔"

چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم فرماتے ہیں :

"سفر و حضر میں ہم لوگوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ لیٹ کر مطالعہ کر رہے ہوں یا کتاب پر کہنی ٹیک کر مطالعہ میں مشغول ہوں' بلکہ کتاب کو سامنے رکھ کر مؤدب انداز سے بیٹھتے' گویا کسی شیخ کے آگے بیٹھے ہوئے استفادہ کر رہے ہوں۔"

اور یہ بھی فرمایا کہ :

"میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک دینیات کی کسی کتاب کا

---

[1] نفحۃ العنبر ص ۲۷

[2] حیات انور ص ۲۳۳

مطالعہ بے وضو نہیں کیا۔" [1]

۱۳ ۔ دار العلوم کی تاریخ میں یہ جملہ بہت معروف ہے کہ دار العلوم کی ابتداء دو ایسے بزرگوں سے ہوئی جن دونوں کا نام محمود تھا اور دونوں قصبہ دیوبند کے باشندے تھے۔ ان میں شاگرد تو وہ محمود تھے جو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کے نام سے معروف ہوئے اور استاد حضرت ملّا محمود صاحبؒ تھے۔ راقم الحروف کے جد امجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ملّا محمود صاحبؒ نے فرمایا کہ سنن ابن ماجہؒ پر جو حاشیہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ محدث دہلویؒ کے نام سے چھپا ہوا ہے اس کا بڑا حصہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ نے مجھ سے لکھوایا ہے۔ ان کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ طلباء نے اس پر تعجب کا اظہار کیا۔ وجہ یہ تھی کہ علم کے دعوے اور نام و نمود کی خواہشات سے اللہ تعالیٰ نے اس فرشتہ خصلت بزرگ کو ایسا پاک رکھا تھا کہ عام آدمی کو یہ پہچاننا بھی مشکل تھا کہ یہ کوئی بڑے عالم ہیں۔

اپنا گھریلو سودا سلف اور گوشت ترکاری خود بازار سے خرید کر لاتے اور گھر میں عام آدمیوں کی طرح زندگی گزارتے تھے مگر علوم کے استحضار اور حفظ کا عالم یہ تھا کہ راقم کے جد امجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب کی ایک بڑی کتاب (جو غالباً منطق یا اصول فقہ کی کتاب تھی) اتفاقاً درس سے رہ گئی تھی، انہیں یہ فکر تھی کہ دورہ حدیث شروع ہونے سے پہلے یہ کتاب پوری ہو جائے چنانچہ انہوں نے ملّا محمود صاحبؒ سے درخواست کی، ملّا صاحبؒ نے فرمایا کہ اوقات مدرسہ کے علاوہ بھی میرے تمام اوقات اسباق سے بھرے ہوئے ہیں صرف ایک وقت ہے کہ جب میں گھر کا گوشت ترکاری لینے کے لیے بازار جاتا ہوں، یہ وقت خالی گذرتا ہے تم ساتھ ہو جاؤ تو اس وقفے میں سبق پڑھا دوں گا۔ احقر کے دادا حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ فرماتے تھے کہ کتاب بڑی اور مشکل تھی جس کو دوسرے علماء غور و مطالعہ کے بعد بھی مشکل سے پڑھا سکتے تھے۔ مگر ملّا محمود صاحبؒ نے کچھ راستہ میں، کچھ قصاب کی دوکان پر یہ تمام کتاب ہمیں اس طرح پڑھا دی کہ کوئی مشکل ہی نظر نہ آئی۔ [2]

---

[1] حیات انور، ص ۲۳۳

[2] "میرے والد ماجد" مولفہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم ص ۵۴، ۵۵

۱۴ ۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے علم و فضل کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے' حضرتؒ طالب علمی کے زمانے ہی سے اپنی قوت استعداد' ذہانت و فطانت اور علم و عمل میں معروف تھے۔ لیکن جب ۱۳۰۰ھ میں آپ دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہوئے' اور دستار بندی کے لیے دیوبند میں بہت بڑا اور شاندار جلسہ منعقد کرنے کی تجویز ہوئی تو حضرت تھانویؒ اپنے ہم سبقوں کو لے کر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ "حضرت! ہم نے سنا ہے کہ ہم لوگوں کی دستار بندی کی جائے گی اور سند فراغ دی جائے گی۔ حالانکہ ہم اس قابل ہرگز نہیں لہٰذا اس تجویز کو منسوخ فرمادیا جائے ورنہ اگر ایسا کیا گیا تو مدرسہ کی بڑی بدنامی ہوگی کہ ایسے نالائقوں کو سند دی گئی۔" حضرت نانوتویؒ کو یہ سن کر جوش آگیا اور فرمایا کہ تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے' یہاں چونکہ تمہارے اساتذہ موجود ہیں اس لیے ان کے سامنے تمہیں اپنی ہستی کچھ نظر نہیں آتی اور ایسا ہی ہونا چاہئے' باہر جاؤ گے تب تمہیں اپنی قدر معلوم ہوگی' جہاں جاؤ گے بس تم ہی تم ہو گے۔ [1]

سادگی اور مخلوق خدا کا خیال

۱۵ ۔ حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمتہ اللہ علیہ کا شمار بھی اکابر دیوبند میں ہے۔ ان کے علم و فضل کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے بلاواسطہ شاگرد اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلویؒ کے ہم سبق ہیں۔ وہ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ راستہ میں ایک بوڑھا ملا جو بوجھ لیے جارہا تھا' بوجھ زیادہ تھا اور وہ بمشکل چل رہا تھا۔ حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ نے یہ حال دیکھا تو اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لے جانا چاہتا تھا وہاں پہنچادیا۔ اس بوڑھے نے ان سے پوچھا! "اجی! تم کہاں رہتے ہو؟" انہوں نے کہا : "بھائی! میں کاندھلہ میں رہتا ہوں۔" اس نے کہا : "وہاں مولوی مظفر حسین بڑے ولی ہیں" اور یہ کہہ کر ان کی بڑی تعریفیں کیں' مگر مولاناؒ نے فرمایا : "اور تو اس میں کوئی بات نہیں ہے' ہاں نماز تو پڑھ لے ہے۔" اس نے کہا "واہ میاں! تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو"؟ مولاناؒ نے فرمایا : "میں ٹھیک کہتا

---

[1] اشرف السوانح۔ ج ۱ ص ۳۲

ہوں۔" وہ بوڑھا ان کے سر پر ہو گیا' اتنے میں ایک اور شخص آگیا جو مولانا کو جانتا تھا' اس نے بوڑھے سے کہا "بھلے مانس! مولوی مظفر حسین یہی ہیں" اس پر وہ بوڑھا مولانا سے لپٹ کر رونے لگا۔[1]

۱۶ ۔ انہی مولانا مظفر حسین صاحبؒ کی عادت یہ تھی کہ اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا کرتے تھے اور اپنے تمام رشتہ داروں کے گھر تشریف لے جاتے جس کسی کو بازار سے کچھ منگانا ہوتا اس سے پوچھ کر لا دیتے اور طرّہ یہ کہ اس زمانے میں لوگوں کے پاس پیسے کم ہوتے تھے' عموماً چیزیں غلّے کے عوض خریدی جاتی تھیں چنانچہ آپ گھروں سے غلہ باندھ کر لے جاتے اور اس سے اشیاء ضرورت خرید کر لاتے تھے۔[2]

۱۷ ۔ یہی حال دیوبند کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا تھا۔ علم و فضل کا تو یہ عالم کہ آج ان کی "عزیز الفتاوی" عہد حاضر کے تمام مفتیوں کے لئے ماخذ بنی ہوئی ہے اور فتویٰ کے ساتھ شغف کا یہ حال کہ وفات کے وقت بھی ایک استفتاء ہاتھ میں تھا جسے موت ہی نے ہاتھ سے چھڑا کر سینے پر ڈال دیا تھا۔[3] لیکن سادگی' تواضع اور خدمت خلق کا یہ مقام کہ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں :

"کوئی کیسے سمجھے کہ یہ کوئی بڑے عالم یا صاحب کرامات صوفی اور صاحب نسبت شیخ ہیں جب کہ غایت تواضع کا یہ عالم ہو کہ بازار کا سودا سلف نہ صرف اپنے گھر کا بلکہ محلے کی بیواؤں اور ضرورت مندوں کا بھی خود لاتے' بوجھ زیادہ ہو جاتا تو بغل میں گٹھڑی دبا لیتے اور پھر ہر ایک کے گھر کا سودا مع حساب کے اس کو پہنچاتے۔"[4]

راقم الحروف نے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم ہی سے زبانی سنا کہ اسی سودا سلف لانے میں کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جب حضرت مفتی صاحبؒ کسی عورت کو سودا دینے کے لیے جاتے تو وہ دیکھ کر کہتی :

"مولوی صاحب! یہ تو آپ غلط لے آئے ہیں' میں نے یہ چیز اتنی نہیں اتنی منگائی

---

[1] ارواح ثلاثہ ص ۱۴۸ نمبر ۱۸۸ [2] ارواح ثلاثہ ۱۵۳ ۱۹۷

[3] نقوش و تاثرات : مولفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم ص ۳۴

[4] مقدمہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۴۳

تھی۔" چنانچہ یہ فرشتہ صفت انسان دوبارہ بازار جاتا اور اس عورت کی شکایت دور کرتا۔

۱۸ ۔ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمتہ اللہ علیہ جو دیوبند میں حضرت میاں صاحب کے لقب سے معروف تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے درجہ علیا کے استاد تھے' ان سے ابوداؤد پڑھنے والے اب بھی برصغیر میں ہزاروں ہوں گے' علوم قرآن و سنت کے بہت بڑے ماہر اور جملہ علوم و فنون کے کامل محقق' مگر بہت کم گو' حدیث کے درس میں نہایت مختصر مگر جامع تقریر ایسی ہوتی تھی کہ حدیث کا مفہوم دل میں اتر جائے اور شبہات خود بخود کافور ہو جائیں۔

انہی کا واقعہ ہے کہ آپ کا زنانہ مکان اور نشست گاہ کچی مٹی کی بنی ہوئی تھیں' ہر سال برسات کے مواقع پر اس کی لپائی تپائی ناگزیر تھی جس میں کافی پیسہ اور وقت خرچ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ راقم الحروف کے والد ماجد (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم) نے حضرت میاں صاحبؒ سے کہا کہ : "حضرت! جتنا خرچ سالانہ اس کی لپائی پر کرتے ہیں' اگر ایک مرتبہ پختہ اینٹوں سے بنانے میں خرچ کرلیں تو دو تین سال میں یہ خرچ برابر ہو جائے اور ہمیشہ کے لیے اس محنت سے نجات ہو۔"

یہ سن کر فرمایا : "ماشاء اللہ بات تو بہت عقل کی کہی' ہم بوڑھے ہو گئے ادھر دھیان ہی نہ آیا۔" پھر کچھ توقف کے بعد جو حقیقت حال تھی وہ بتائی اور تب پتہ چلا کہ یہ حضرات کس مقام سے سوچتے تھے؟ فرمایا کہ :

"میرے پڑوس میں سب غریبوں کے کچے مکان ہیں' اگر میں اپنا مکان پکا بنوالوں تو غریب پڑوسیوں کو حسرت ہوگی اور اتنی وسعت نہیں کہ سب کے مکان پکے بنواؤں۔"

حضرت والد صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں :

"اس وقت معلوم ہوا کہ یہ حضرات جو کچھ سوچتے ہیں وہاں تک ہر ایک کی رسائی نہیں ہو سکتی' چنانچہ انہوں نے اس وقت تک اپنے مکان کو پختہ نہیں کیا جب تک پڑوسیوں کے مکان پکے نہیں بن گئے۔" [1]

۱۹ ۔ انہی حضرت میاں صاحبؒ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت والد صاحب مدظلہم ان کے گھر تشریف لے گئے تو انہوں نے آموں سے تواضع کی' جب آم چوس کر فارغ ہو گئے

---

[1] نقوش و تاثرات ص ۴۰

تو والد صاحب مدظلہم گٹھلیوں اور چھلکوں سے بھری ہوئی ٹوکری اٹھا کر باہر پھینکنے کے لیے چلے، حضرت میاں صاحبؒ نے دیکھا تو پوچھا : "یہ ٹوکری کہاں لے کر چلے؟" عرض کیا : "چھلکے باہر پھینکنے جارہا ہوں" ارشاد ہوا "پھینکنے آتے ہیں یا نہیں؟" والد صاحب نے کہا کہ "حضرت! یہ چھلکے پھینکنا کون سا خصوصی فن ہے جسے سیکھنے کی ضرورت ہو؟" فرمایا : "ہاں! تم اس فن سے واقف نہیں، لاؤ، مجھے دو۔" خود ٹوکری اٹھا کر پہلے چھلکے گٹھلیوں سے الگ کئے، اس کے بعد باہر تشریف لائے اور سڑک کے کنارے تھوڑے تھوڑے فاصلے سے معین جگہوں پر چھلکے رکھ دیئے اور ایک خاص جگہ گٹھلیاں ڈال دیں۔ والد صاحب کے استفسار پر ارشاد ہوا کہ ہمارے مکان کے قرب و جوار میں تمام غرباء و مساکین رہتے ہیں، زیادہ تر وہی لوگ ہیں جن کو نان جویں بھی بمشکل ہی میسر آتی ہے، اگر وہ پھلوں کے چھلکے یکجا دیکھیں گے تو ان کو اپنی غریبی کا شدت سے احساس ہوگا اور بے مائیگی کی وجہ سے حسرت ہوگی اور اس ایذاء دہی کا باعث میں بنوں گا اس لیے متفرق کرکے ڈالتا ہوں اور وہ بھی ایسے مقامات پر جہاں جانوروں کے گلّے گزرتے ہیں، یہ چھلکے ان کے کام آجاتے ہیں اور گٹھلیاں ایسی جگہ رکھی ہیں جہاں بچے کھیلتے کودتے ہیں، وہ ان گٹھلیوں کو بھون کر کھالیتے ہیں، یہ چھلکے اور گٹھلیاں بھی بہرحال ایک نعمت ہیں، ان کو بھی ضائع کرنا مناسب نہیں۔"

راقم الحروف کے برادر مرحوم مولانا محمد زکی کیفی صاحب جو اس واقعے کے وقت موجود تھے، تحریر فرماتے ہیں :

> "یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنے کی ہے کہ میاں صاحبؒ خود تو شاید ہی کبھی کوئی آم چکھ لیتے ہوں، عموماً مہمانوں ہی کے لیے ہوتے تھے اور محلے کے غریب بچوں کو بلا بلا کر کھلانے میں استعمال ہوتے تھے، اس کے باوجود چھلکے گٹھلیوں کا یکجا ڈھیر کردینے سے گریز فرماتے تھے کہ غریبوں کی حسرت کا سبب نہ بن جائیں۔"[1]

۲۰ ۔ انہی حضرت میاں صاحبؒ کا معمول تھا کہ جو کھانا گھر سے آتا تھا، خود تو بہت کم غوراک کھاتے تھے، باقی کھانا محلے کے بچوں کو کھلادیتے تھے جو بوٹی بچ جاتی اس کو بلی کے لیے

---

[1] ماہنامہ ابلاغ کراچی۔ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ ص ۳۸، ۳۹ ج ا مضمون حضرت میاں صاحبؒ

دیوار پر رکھ دیتے اور جو ٹکڑے بچ جاتے ان کو چھوٹا چھوٹا کرکے چڑیوں کے لیے اور دسترخوان کے ریزوں کو بھی ایسی جگہ جھاڑتے تھے جہاں چیونٹیوں کا بل ہو۔[1]

۲۱ ۔ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ رحمتہ اللہ علیہ دارالعلوم کے ان اساتذہ میں سے ہیں جن کے عشاق اب بھی شاید لاکھوں سے کم نہ ہوں' ان کے رعب اور دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ طلباء ان کے نام سے تھراتے تھے حالانکہ مارنے پیٹنے کا کوئی معمول نہ تھا۔ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم بھی ان کے شاگرد ہیں' وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے ساتھ ہم چند آدمی سفر پر روانہ ہوئے' سفر کے آغاز میں مولاناؒ نے فرمایا کہ "کسی کو اپنا امیر بنالو۔" ہم نے عرض کیا کہ "امیر تو متعین ہے" مولاناؒ نے فرمایا : "مجھے امیر بنانا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے لیکن امیر کی اطاعت کرنی ہوگی۔" ہم نے عرض کیا "ان شاء اللہ ضرور!" اب جو روانگی ہوئی تو مولاناؒ نے اپنا اور ساتھیوں کا سامان خود اٹھالیا۔ ہم نے دوڑ کر سامان لینا چاہا تو فرمایا "نہیں! امیر کی اطاعت ضروری ہے" پھر سفر کے ہر مرحلے میں مشقت کا ہر کام خود کرنے کے لیے آگے بڑھتے اور کوئی کچھ بولتا تو اطاعت امیر کا حکم سناتے۔

۲۲ ۔ حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہم مہتمم دارالعلوم دیوبند کے خسر محترم جناب مولانا محمود صاحب رام پوریؒ رام پور کے ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو اپنے دینی شغف اور دنیوی وجاہت و ریاست دونوں کے اعتبار سے ممتاز تھا' اور تمام اکابر دیوبند سے اس کے تعلقات تھے۔ جب یہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے دیوبند آئے تو ان کا قیام دیوبند کی ایک چھوٹی سی مسجد کے حجرے میں ہوا جو "چھوٹی مسجد" ہی کے نام سے معروف تھی۔ حضرت شیخ الہندؒ رحمتہ اللہ علیہ دارالعلوم سے آتے جاتے ادھر ہی سے گزرا کرتے تھے۔ ایک روز وہاں سے گزرتے ہوئے دیکھا کہ وہاں مولانا محمود صاحب رام پوری کھڑے تھے' حضرت شیخ الہندؒ کو ان کے دیوبند آنے کا حال معلوم نہ تھا' اس لیے ان سے پوچھا کہ کب آئے؟ کیسے آئے؟ انہوں نے تفصیل بیان کی اور بتایا کہ اسی مسجد کے ایک حجرے میں مقیم ہیں۔ حضرتؒ حجرے کے اندر تشریف لے گئے اور ان کے رہنے کی جگہ دیکھی۔ وہاں ان کے سونے کے لیے ایک بستر فرش ہی پر بچھا ہوا تھا' اس وقت تو حضرتؒ یہ دیکھ کر تشریف لے آئے لیکن یہ خیال رہا کہ مولانا محمود صاحب رام پور کے رئیس زادے ہیں' انہیں زمین پر سونے کی

---

[1] ماہنامہ البلاغ کراچی' ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ ص ۳۹ ج ۱

عادت نہیں ہوگی اور یہاں تکلیف اٹھاتے ہوں گے' چنانچہ گھر جاکر ایک چارپائی خود اٹھائی اور اسے لے کر چھوٹی مسجد کی طرف چلے' وہاں سے فاصلہ کافی تھا' لیکن حضرتؒ اسی حالت میں گلیوں اور بازار سے گزرتے ہوئے چھوٹی مسجد پہنچ گئے۔ اس وقت مولانا محمود صاحبؒ مسجد سے نکل رہے تھے۔ یہاں پہنچ کر حضرت شیخ الہندؒ کو خیال آیا کہ یہ مجھے چارپائی اٹھائے ہوئے دیکھیں گے تو انہیں ندامت ہوگی کہ میری خاطر شیخ الہندؒ نے اتنی تکلیف اٹھائی' چنانچہ انہیں دیکھتے ہی چارپائی نیچے رکھ دی اور فرمایا :

"لومیاں! یہ اپنی چارپائی خود اندر لے جاؤ' میں بھی شیخ زادہ ہوں کسی کا نوکر نہیں۔" [1]

انابت و تقویٰ

۲۳۔ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو انابت و تقویٰ کے ایسے سانچوں میں ڈھالا تھا کہ یہ "**سیماھم فی وجوھھم**" کی مثال بن گئے تھے۔ اور لوگ ان کے چہرے دیکھ کر اسلام قبول کرتے تھے۔ مولانا محمد انوریؒ فرماتے ہیں کہ مظفر گڑھ کے سفر میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا' ملتان چھاؤنی کے اسٹیشن پر فجر کی نماز سے قبل حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ گاڑی کے انتظار میں تشریف فرما تھے' ارد گرد خدام کا مجمع تھا' ریلوے کے ایک ہندو بابو صاحب لیمپ ہاتھ میں لیے آرہے تھے' حضرت شاہ صاحبؒ کا منور چہرہ دیکھ کر سامنے کھڑے ہوگئے اور زار و قطار رونے لگے اور پھر یہ زیارت ہی ان کے ایمان کا ذریعہ بن گئی۔ وہ کہتے تھے کہ ان بزرگوں کا روشن چہرہ دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ اسلام سچا دین ہے۔" [2]

۲۴۔ تمام اکابر دیوبند کا مشترک رنگ یہ تھا کہ وہ حروف و نقوش کے کتابی علم کو اس وقت تک اہمیت نہیں دیتے تھے جب تک اس کے ساتھ انابت الی اللہ اور صلاح و تقویٰ نہ ہو۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے جب خانقاہ تھانہ بھون میں مدرسہ امدادیہ قائم فرمایا تو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کو اس کی اطلاع

---

[1] یہ واقعہ احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے اور ان کو خود حضرت مولانا محمود صاحب رام پوری رحمہ اللہ نے سنایا تھا۔

[2] انوار انوری ص ۴۰

دی، حضرتؒ نے جواب میں تحریر فرمایا :

"اچھا ہے بھائی، مگر خوشی تو جب ہوگی جب یہاں اللہ اللہ کرنے والے جمع ہو جاویں گے۔"[۱]

۲۵۔ چنانچہ دار العلوم دیوبند کی بنیاد ہی انابت الی اللہ پر تھی، راقم الحروف کے جد امجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب قدس سرہ فرماتے تھے کہ

"ہم نے دار العلوم کا وہ وقت دیکھا ہے جس میں صدر مدرس سے لے کر ادنیٰ مدرس تک اور مہتمم سے لے کر دربان اور چپراسی تک سب کے سب صاحب نسبت بزرگ اور اولیاء اللہ تھے۔ دار العلوم اس زمانہ میں دن کو دار العلوم اور رات کو خانقاہ معلوم ہوتا تھا کہ اکثر حجروں سے آخر شب میں تلاوت اور ذکر کی آوازیں سنائی دیتی تھیں اور درحقیقت یہی اس دار العلوم کا طغرائے امتیاز تھا۔"[۲]

۲۶۔ دار العلوم دیوبند کے دوسرے مہتمم حضرت مولانا رفیع الدین صاحب قدس سرہ اگرچہ ضابطے کے عالم نہ تھے لیکن حضرت شاہ عبد الغنی صاحب محدث دہلویؒ کے خلیفہ اور اس درجے کے بزرگ تھے کہ حضرت نانوتویؒ نے ایک موقع پر فرمایا تھا :

"مولانا رفیع الدین صاحبؒ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ میں سوائے اس کے کوئی فرق نہیں کہ مولانا گنگوہیؒ عالم ہیں اور وہ عالم نہیں، ورنہ نسبت باطنی کے لحاظ سے دونوں ایک درجہ کے ہیں۔"[۳]

ان کا واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک گائے پال رکھی تھی جس کی دیکھ بھال ایک خادم کے سپرد تھی۔ ایک روز اتفاقاً وہ خادم کسی وجہ سے گائے کو مدرسہ کے صحن میں باندھ کر کسی کام کو چلا گیا۔ دیوبند کے باشندے کوئی صاحب ادھر آنکلے، مولاناؒ کی گائے کو مدرسہ کے صحن میں دیکھا تو مولاناؒ سے شکایت کی کہ "کیا مدرسہ کا صحن آپ کی گائے پالنے کے لیے ہے"؟

۱۔ ارواح ثلاثہ ص ۲۲۴ نمبر ۳۲

۲۔ "میرے والد ماجد" : از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم ص ۵۲

۳۔ اشرف السوانح ج ۱ ص ۱۳۹

مولاناؒ نے ان سے کوئی عذر بیان کرنے کے بجائے یہ گائے دار العلوم ہی کو دے دی اور قصہ ختم کردیا' حالانکہ مولانا کا عذر بالکل واضح اور ظاہر تھا' مگر یہ حضرات اپنے نفس کی طرف سے مدافعت کا پہلو اختیار ہی نہ کرتے تھے۔ [۱]

۲۷۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی رحمتہ اللہ علیہ دار العلوم دیوبند کے اس دور کے مہتمم تھے۔ جب دار العلوم کا کام بہت زیادہ پھیل گیا تھا' طلباء کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی۔ بہت سے نئے شعبے قائم ہو چکے تھے اور ان کا انتظام شبانہ روز مصروفیات کے بغیر ممکن نہ تھا لیکن احقر نے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ظلہم سے سنا ہے کہ اس دور میں بھی نماز اور تلاوت کے دیگر معمولات کے علاوہ روزانہ سوا لاکھ اسم ذات کا معمول کبھی قضا نہیں ہوتا تھا اور اللہ پر توکل کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ دار العلوم کی انتظامیہ کے خلاف ایک شدید طوفان اٹھا اور بعض لوگ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کی جان کے بھی دشمن ہوگئے' ایسے حالات میں وہ رات کو دار العلوم کی کھلی چھت پر تن تنہا سوتے تھے' بعض بہی خواہوں نے عرض کیا کہ ایسے حالات میں آپ کو اس طرح نہ سونا چاہئے بلکہ احتیاط کے مد نظر کمرے کے اندر سونا چاہئے۔ مولاناؒ نے جواب میں فرمایا کہ : میں تو اس باپ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کا بیٹا ہوں جس کے جنازے کو چار اٹھانے والے بھی میسر نہ آئے اور جسے رات کے اندھیرے میں بقیع کی نذر کیا گیا' لہٰذا مجھے موت کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔" [۲]

یہ دیوبند کے وہ بزرگ ہیں، جو خالص انتظامی کاموں میں مصروف تھے اور جیسا کہ انتظامی امور کا خاصہ ہے وہ بعض مرتبہ مورد اعتراض بھی بنے اور عموماً اولیاء اللہ کی فہرست میں ان کا شمار نہیں ہوتا۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

۲۸۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ سارا دن تعلیم و تدریس کی محنت اٹھانے کے باوجود رات کو دو بجے بیدار ہو جاتے اور فجر تک نوافل و ذکر میں مشغول رہتے تھے اور رمضان المبارک میں تو تمام رات جاگنے کا معمول تھا' حضرتؒ

---

[۱] "میرے والد ماجد" ص ۶۰۔

[۲] یہ واقعہ احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے (م ت ع)

کے یہاں تراویح سحری سے ذرا پہلے تک جاری رہتی تھی اور مختلف حفاظ کئی کئی پارے سناتے تھے' یہاں تک کہ حضرتؒ کے پاؤں پر ورم آجاتا اور حتی تورمت قدماہ کی سنت نبویہ نصیب ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ خوراک اور نیند کی کمی اور طویل قیام کے اثر سے حضرتؒ کا ضعف بہت زیادہ ہوگیا' اس کے باوجود رات بھر کی تراویح کا یہ معمول ترک نہیں فرمایا۔ آخر مجبور ہو کر گھر کی خواتین نے تراویح کے امام مولوی کفایت اللہ صاحب کو کہلایا کہ آج کسی بہانے سے تھوڑا سا پڑھ کر اپنی طبیعت کے کسل اور گرانی کا عذر کر دیجئے۔ حضرتؒ کو دوسروں کی راحت کا بہت خیال رہتا تھا اس لیے خوشی سے منظور کرلیا۔ تراویح ختم ہوگئی اور اندر حافظ صاحب لیٹ گئے اور باہر حضرت شیخ الہندؒ۔ لیکن تھوڑی دیر بعد حافظ صاحب نے محسوس کیا کہ کوئی شخص آہستہ آہستہ پاؤں دبا رہا ہے' انہوں نے ہوشیار ہو کر دیکھا تو خود حضرت شیخ الہندؒ تھے۔ ان کی حیرت و ندامت کا کچھ ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ لیکن مولاناؒ فرمانے لگے کہ : "نہیں بھائی' کیا حرج ہے؟ تمہاری طبیعت اچھی نہیں' ذرا راحت آجائے گی۔" [1]

۲۹۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ کے واقعات پہلے بھی آچکے ہیں' ان کا علم و فضل اور حیرت انگیز حافظہ اس قدر مشہور ہوا کہ ان کی دوسری خوبیاں اس میں گم ہوگئیں ورنہ انابت و تقویٰ اور سلوک و تصوف میں بھی انہیں ممتاز مقام حاصل تھا۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہم سے انہوں نے خود بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ میں کشمیر سے آرہا تھا۔ راستہ میں ایک صاحب مل گئے جو پنجاب کے ایک مشہور پیر کے مرید تھے' ان کی خواہش اور ترغیب یہ تھی کہ میں بھی ان پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اتفاق سے وہ مقام میرے راستے میں پڑتا تھا۔ اس لیے میں نے بھی ارادہ کرلیا۔ ہم پیر صاحب کے پاس پہنچے تو وہ بڑے اکرام سے پیش آئے' کچھ باتیں ہوئیں' پھر وہ مریدین کی طرف متوجہ ہوگئے اور ان پر توجہ ڈالنی شروع کی جس سے وہ بے ہوش ہو ہو کر لوٹنے اور تڑپنے لگے۔ میں یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ پھر میں نے کہا "میرا جی چاہتا ہے کہ اگر مجھ پر بھی یہ حالت طاری ہو سکے تو مجھ پر آپ توجہ فرمائیں۔" انہوں نے توجہ دینی شروع کی' اور میں اللہ تعالیٰ کے ایک اسم پاک کا مراقبہ کر کے بیٹھ گیا۔ بے چاروں نے بہت زور لگایا لیکن مجھ پر کچھ اثر نہ ہوا' کچھ دیر کے بعد

---

[1] حیات شیخ الہندؒ۔ از مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ ص ۱۸۹

انہوں نے خود فرمایا کہ آپ پر اثر نہیں پڑ سکتا۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ بتاتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ واقعہ سنا کر غیر معمولی جوش کے ساتھ فرمایا :

"کچھ نہیں ہے، لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے ایک کرشمہ ہے ان باتوں کا خدا رسیدگی سے کوئی تعلق نہیں، اگر کوئی چاہے اور استعداد ہو تو ان شاء اللہ تین دن میں یہ بات ہو سکتی ہے کہ قلب سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دینے لگے۔ لیکن یہ بھی کچھ نہیں۔ اصل چیز تو بس احسانی کیفیت اور شریعت و سنت پر استقامت ہے۔" [1]

تبلیغ و دعوت کا انداز

۳۰۔ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو جہاں تبلیغ و دعوت دین کا جذبہ عطا فرمایا تھا وہاں اسے "حکمت" اور "موعظہ حسنہ" کے اصول پر انجام دینے کی توفیق بھی عطا فرمائی تھی۔ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کا تذکرہ پہلے بھی آچکا ہے۔ ایک مرتبہ سفر کے دوران آپ کا گزر جلال آباد یا شاملی سے ہوا۔ وہاں ایک مسجد ویران پڑی تھی، آپ نے پانی کھینچ کر وضو کیا، مسجد میں جھاڑو دی اور بعد میں ایک شخص سے پوچھا کہ یہاں کوئی نمازی نہیں؟ اس نے کہا کہ سامنے خان صاحب کا مکان ہے جو شرابی ہیں اور رنڈی باز ہیں، اگر وہ نماز پڑھنے لگیں تو یہاں اور بھی دو چار نمازی ہو جائیں۔

مولاناؒ یہ سن کر خان صاحب کے پاس تشریف لے گئے، وہ نشہ میں مست تھے اور رنڈی پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ مولاناؒ نے ان سے فرمایا : "بھائی خان صاحب! اگر تم نماز پڑھ لیا کرو تو دو چار آدمی اور جمع ہو جایا کریں! اور یہ مسجد آباد ہو جائے۔" خان صاحب نے کہا کہ مجھ سے وضو نہیں ہوتی اور نہ یہ دو بری عادتیں چھٹتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بے وضو ہی پڑھ لیا کرو اور شراب نہیں چھوٹتی تو وہ بھی پی لیا کرو۔ اس نے عہد کیا کہ میں بغیر وضو ہی پڑھ لیا کروں گا۔ آپ وہاں سے تشریف لے گئے، کچھ فاصلہ پر نماز پڑھی اور سجدے میں خوب

---

[1] حیات انور ص ۱۵۵ تا ۱۵۷

روئے۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت! آپ سے دو باتیں ایسی سرزد ہوئیں جو کبھی نہ ہوئی تھیں' ایک یہ کہ آپ نے شراب اور زنا کی اجازت دے دی۔ دوسرے یہ کہ آپ سجدے میں بہت روئے۔ فرمایا کہ : "سجدے میں' میں نے جناب باری سے التجا کی تھی کہ اے رب العزت! کھڑا تو میں نے کردیا' اب دل تیرے ہاتھ میں ہے۔" چنانچہ ان خان صاحب کا یہ حال ہوا کہ جب رنڈیاں پاس سے چلی گئیں تو ظہر کا وقت تھا' اپنا عہد یاد آیا پھر خیال آیا کہ آج پہلا دن ہے' لاؤ غسل کرلیں' کل سے بغیر وضو پڑھ لیا کریں گے۔ چنانچہ غسل کیا' پاک کپڑے پہنے اور نماز پڑھی۔ نماز کے بعد باغ کو چلے گئے۔ عصر اور مغرب باغ میں اسی وضو سے پڑھی' مغرب کے بعد گھر پہنچے تو ایک طوائف موجود تھی۔ پہلے کھانا کھانے گھر میں گئے۔ وہاں جو بیوی پر نظر پڑی تو فریفتہ ہوگئے۔ باہر آکر رنڈی سے کہا کہ آئندہ میرے مکان پر نہ آنا۔ [1]

۳۱۔ امیر شاہ خان صاحب (مرحوم) راوی ہیں کہ جب منشی ممتاز علی کا مطبع میرٹھ میں تھا۔ اس زمانہ میں مطبع میں مولانا نانوتویؒ بھی ملازم تھے۔ اور ایک حافظ جی بھی نوکر تھے۔ یہ حافظ جی بالکل آزاد تھے۔ رندانہ وضع تھی چوڑی دار پاجامہ پہنتے تھے۔ ڈاڑھی چڑھاتے تھے۔ نماز کبھی نہ پڑھتے تھے۔ مگر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے ان کی نہایت گہری دوستی تھی۔ وہ مولانا کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے اور مولانا ان کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے۔ مولانا ان کے کنگھا کرتے تھے اور وہ مولانا کے کنگھا کرتے تھے۔ اگر کبھی مٹھائی وغیرہ مولانا کے پاس آتی تو ان کا حصہ ضرور رکھتے تھے غرض بہت گہرے دوست تھے۔ مولانا کے بعض دوست ایسے آزاد شخص کے ساتھ مولانا کی دوستی سے ناخوش تھے' مگر وہ اس کی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جمعہ کا دن تھا حسب معمول مولانا نے حافظ جی کو نہلایا اور حافظ جی نے مولانا کو جب نہلا چکے تو مولانا نے فرمایا حافظ جی مجھ میں اور تم میں دوستی ہے اور یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تمہارا رنگ اور' ہو میرا رنگ اور اس لئے میں بھی تمہاری ہی وضع اختیار کرلیتا ہوں تم اپنے کپڑے لاؤ میں بھی وہی کپڑے پہنوں گا اور میری یہ ڈاڑھی موجود ہے تم اس کو بھی چڑھاؤ اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ نہ کپڑے اتاروں گا نہ ڈاڑھی۔ وہ یہ سن کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ مجھے اپنے کپڑے دیجئے میں آپ کے کپڑے

---

[1] ارواح ثلاثہ ص ۱۵۰' ۱۵۱ نمبر ۱۹۱

پہنوں گا اور یہ ڈاڑھی موجود ہے اس کو آپ اتار دیں چنانچہ مولانا نے ان کو کپڑے پہنائے اور ڈاڑھی اتار دی اور وہ اس روز سے پکے نمازی اور نیک وضع بن گئے۔ [۱]

۳۲۔ دارالعلوم دیوبند کے دوسرے مہتمم حضرت مولانا رفیع الدین صاحب جن کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے' ایک مرتبہ انہوں نے محسوس کیا کہ بعض حضرات مدرسین دارالعلوم کے مقررہ وقت سے کچھ دیر میں آتے ہیں تو آپ نے حاکمانہ محاسبہ کے بجائے یہ معمول بنالیا کہ روزانہ کو دارالعلوم کا وقت شروع ہونے پر دارالعلوم کے دروازے کی قریب ایک چارپائی ڈال کر اس پر بیٹھ جاتے اور جب کوئی استاد آتے تو سلام و مصافحہ اور دریافت خیریت پر اکتفاء فرماتے زبان سے کچھ نہ کہتے کہ آپ دیر سے کیوں آئے۔ اس حکیمانہ سرزنش نے تمام مدرسین کو وقت کا پابند بنادیا البتہ صرف ایک مدرس اس کے بعد بھی کچھ دیر سے آتے تھے ایک روز جب وہ وقت مقررہ کے کافی بعد مدرسہ میں داخل ہوئے تو سلام اور دریافت خیریت کے بعد انہیں پاس بٹھاکر فرمایا۔

"مولانا! میں جانتا ہوں کہ آپ کے مشاغل بہت ہیں ان کی وجہ سے دارالعلوم پہنچنے میں دیر ہوجاتی ہے ماشاء اللہ آپ کا وقت بڑا قیمتی ہے اور میں ایک بے کار آدمی ہوں خالی پڑا رہتا ہوں آپ ایسا کریں اپنے گھریلو کام مجھے بتلادیا کریں میں خود جاکر ان کو انجام دے دیا کروں گا تاکہ آپ کا وقت تعلیم کے لئے فارغ ہوجائے۔"

اس حکیمانہ طرز خطاب کا اثر ہونا تھا وہ ہوا اور وہ مدرس بھی آئندہ ہمیشہ کے لئے وقت کے پابند ہوگئے۔ [۲]

۳۳۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں اصلاح خلق کی توفیق خاص اور اس کا انتہائی حکیمانہ اسلوب مرحمت فرمایا تھا۔ اردو کے مشہور شاعر جناب جگر مراد آبادی مرحوم کا واقعہ ہے کہ ایک مجلس میں حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ نے حضرت تھانویؒ سے ذکر کیا کہ جگر مراد آبادی سے ایک مرتبہ میری ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ تھانہ بھون جانے اور زیارت کرنے کو بہت دل چاہتا ہے مگر

---

[۱] ارواح ثلاثہ ص ۱۷۴ نمبر ۲۲۶

[۲] "میرے والد ماجد" از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ص ۵۹

میں اس مصیبت میں مبتلا ہوں کہ شراب نہیں چھوڑ سکتا اسلیئے مجبور ہوں کہ کیا منہ لے کر وہاں جاؤں؟ حضرت نے خواجہ صاحب سے پوچھا پھر آپ نے کیا جواب دیا؟ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ میں نے کہہ دیا ہاں یہ تو صحیح ہے ایسی حالت میں بزرگوں کے پاس جانا کیسے مناسب ہو سکتا ہے؟ حضرت نے فرمایا "واہ خواجہ صاحب ہم تو سمجھتے تھے کہ اب آپ طریق کو سمجھ گئے ہیں مگر معلوم ہوا ہے کہ ہمارا خیال غلط تھا۔" خواجہ صاحب کے تعجب پر حکیم الامت قدس سرہ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیتے کہ "جس حال میں ہو اسی میں چلے جاؤ ممکن ہے کہ یہ ملاقات ہی اس بلا سے نجات کا ذریعہ بن جائے۔"

چنانچہ خواجہ صاحب یہاں سے واپس گئے تو پھر اتفاقاً جگر صاحب سے ملاقات ہو گئی اور یہ سارا واقعہ جگر صاحب کو سنایا انہوں نے حضرت کے یہ کلمات سن کر زار زار رونا شروع کر دیا اور بالآخر یہ عہد کر لیا کہ اب مر بھی جاؤں تو اس خبیث چیز کے پاس نہ جاؤں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شراب چھوڑنے سے بیمار پڑ گئے حالت نازک ہو گئی۔ اس وقت لوگوں نے کہا کہ آپ کو اس حالت میں بقدر ضرورت پینے کی تو شریعت بھی اجازت دے گی۔ لیکن یہ جگر صاحب کا جگر تھا کہ اس کے باوجود انہوں نے اس ام الاخبائث کو ہاتھ نہ لگایا۔ اللہ تعالیٰ اہل عزم و ہمت کی مدد فرماتے ہیں اس وقت بھی حق تعالیٰ کی مدد سے چند روز ہی میں شفاء کامل حاصل ہوئی اس کے بعد وہ تھانہ بھون تشریف لائے اور حضرت نے ان کا بڑا اکرام فرمایا۔ [1]

۳۴۔ غالباً شملہ کے کسی کالج میں حضرت تھانوی کا بیان ہوا وہاں آپ نے فرمایا کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات کو جو شبہات پیدا ہوتے ہیں وہ صرف نصاب تعلیم کا ہی قصور نہیں بلکہ اس کا بڑا سبب وہ لادینی ماحولہ ہے جس میں ہماری نئی نسل پلتی اور ڈھلتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ بزرگ علماء و صلحاء کی مجلسیں بحمد اللہ ہر جگہ کچھ نہ کچھ قائم ہیں کچھ دن اس ماحول میں رہنے کی عادت ڈالیں۔

غالباً اسی مجلس میں ایک صاحب نے سوال کیا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کو انگریزی پڑھنے والوں سے نفرت ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں ان لوگوں سے کوئی نفرت نہیں البتہ ان کے بعض اعمال و افعال سے نفرت ہے جو شریعت کے خلاف ہیں۔ یہ صاحب بولے

---

[1] مجالس حکیم الامت، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ص ۵۸

وہ اعمال و افعال کیا ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ "مختلف لوگوں کے مختلف اعمال ہیں سب یکساں نہیں" یہ صاحب بھی خوب آزاد آدمی تھے کہنے لگے کہ "مثلاً مجھ میں کیا ہیں؟" آج کل کے عام وضع طلباء کی طرح ان کی بھی ڈاڑھی نہیں تھی حضرت نے فرمایا "بعض چیزیں تو ظاہر ہیں مگر مجمع میں اس کا اظہار کرنے سے حیاء مانع ہے اور آپ کے باقی حالات و معاملات مجھے معلوم نہیں جس پر کوئی رائے ظاہر کرسکوں۔" یہ جلسہ ختم ہوا حضرت تھانہ بھون واپس آگئے پھر اتفاقاً کالج کی تعطیل ہوئی تو ایک طالب علم کا خط آیا خط میں لکھا تھا کہ ہماری اس وقت تعطیل ہے میں آپ کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق کچھ دن آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں مگر میری ظاہری صورت بھی شریعت کے مطابق نہیں اور اعمال و افعال میں بھی بہت گڑبڑ ہے۔ ان حالات میں حاضری کی اجازت ہو تو میں حاضر ہو جاؤں۔ حضرتؒ نے تحریر فرمایا جس حالت میں ہیں چلے آئیں فکر نہ کریں۔ یہ صاحب آگئے اور عرض کیا کہ مجھے بہت سے شبہات و اشکالات ہیں ان کو حل کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ مناسب ہے مگر ان کی صورت یہ کرنی ہوگی کہ آپ کے جتنے شبہات ہیں ان سب کو لکھ لیں اور آپ مجلس میں بیٹھ کر ہماری باتیں سنیں کوئی سوال نہ کریں جب آپ کی مدت قیام کے تین دن رہ جائیں اس وقت یاد دلائیں تو میں آپ کو سوالات کا مستقل وقت دوں گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جو سوالات آپ لکھ کر لائیں گے اس عرصہ میں کسی سوال کا جواب سمجھ میں آجائے تو اس کو کاٹ دیں۔

ان صاحب نے ایسا ہی کیا اور جب رخصت سے تین روز پہلے حضرت نے سوالات کا وقت دیا تو انہوں نے بتایا کہ میرے سوالات کی بہت طویل فہرست تھی مگر دوران قیام اکثر سوالات کے جواب خود سمجھ میں آگئے ان کو کاٹتا رہا اب صرف چند سوال باقی ہیں چنانچہ یہ سوالات انہوں نے پیش کئے اور حضرت سے ان کے جوابات پاکر ہمیشہ کے لئے مطمئن ہوگئے۔

مخالفین سے سلوک

۳۵۔ اکابر دیوبند کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مخالف مسلک والوں سے

لہ مجالس حکیم الامت: حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ، ص ۶۰ - ۶۲

بھی بد اخلاقی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے نہ ان کی تردید میں دل آزار اسلوب کو پسند کرتے تھے اور نہ طعن آمیز القاب سے یاد کرنا پسند کرتے تھے بلکہ جہاں تک ہو سکتا بد اخلاقی کا جواب خوش خلقی سے دیتے اور مخالفین کی دینی ہمدردی و خیر خواہی کو پیش نظر رکھتے تھے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خادم خاص حضرت امیر شاہ خان صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا خورجہ تشریف لائے اور وہاں ایک مجلس میں مولوی فضل رسول بدایونی کا تذکرہ چل گیا (چونکہ وہ مخالف مسلک کے تھے اس لئے) میری زبان سے (طنز کے طور پر) بجائے فضل رسول فصل رسول نکل گیا مولانا نے ناخوش ہو کر فرمایا کہ "لوگ ان کو کیا کہتے ہیں"؟ میں نے کہا "فضل رسول" آپ نے فرمایا تم فصل رسول کیوں کہتے ہو؟ حضرت تھانوی اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"یہ حضرات تھے جو لاتلمزوا انفسکم ولاتنابزوا بالالقاب کے پورے عامل تھے حتی کہ مخالفین کے معاملہ میں بھی" [1]

۳۶۔ بریلی کے مولوی احمد رضا خان صاحب نے اکابر دیوبند کی تکفیر اور ان پر سب و شتم کا جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ ہر پڑھے لکھے انسان کو معلوم ہے' ان فرشتہ خصلت اکابر پر گالیوں کی بوچھاڑ کرنے میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن حضرت گنگوہیؒ نے جو اس دشنام طرازی کا سب سے بڑا نشانہ تھے' ایک روز اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ سے فرمایا کہ ان کی تصنیفیں ہمیں سنا دو حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ان میں تو گالیاں ہیں اس پر حضرت گنگوہی نے فرمایا:

"اجی دور کی گالیوں کا کیا ہے پڑی (یعنی بلا سے) گالیاں ہوں تم سناؤ آخر اس کے دلائل تو دیکھیں شاید کوئی معقول بات ہی لکھی ہو تو ہم ہی رجوع کرلیں" [2]

اللہ اکبر یہ ہے حق پرستوں کا شیوہ کہ مخالفین بلکہ دشمنوں کی باتیں بھی ان کی دشنام طرازیوں سے قطع نظر اس نیت سے سنی جائیں کہ اگر اس سے اپنی کوئی غلطی معلوم ہو تو اس سے رجوع کرلیا جائے۔

۳۷۔ مولانا محمود صاحب رام پوری (جن کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے) فرماتے تھے کہ

---

[1] ارواح ثلاثہ ص ۱۷۵ ۲۲۸ [2] ارواح ثلاثہ ص ۲۱۱ ۳۰۸

ایک مرتبہ میں اور ایک ہندو تحصیل دیوبند میں کسی کام کو گئے' میں حضرت شیخ الہند کے ہاں مہمان ہوا اور وہ ہندو بھی اپنے بھائیوں کے گھر کھانا کھا کر میرے پاس آگیا کہ میں بھی یہاں ہی رہوں گا اس کو ایک چارپائی دے دی گئی۔ جب سب سو گئے تو رات کو میں نے دیکھا کہ مولانا زنانہ میں سے تشریف لائے' میں لیٹا رہا اور یہ سمجھتا تھا کہ اگر کوئی مشقت کا کام کریں گے تو میں امداد کروں گا ورنہ خواہ مخواہ اپنے جاگنے کا اظہار کر کے کیوں پریشان کروں۔ میں نے دیکھا کہ مولانا اس ہندو کی طرف بڑھے اور اس کی چارپائی پر بیٹھ کر اس کے پیر دبانے شروع کیے۔ وہ خراٹے لے کر خوب سوتا رہا۔ مولانا محمود صاحب کہتے ہیں کہ میں اٹھا اور عرض کیا کہ حضرت آپ تکلیف نہ کریں میں دبا دوں گا۔ مولانا نے فرمایا کہ تم جا کر سوؤ یہ میرا مہمان ہے میں ہی اس کی خدمت انجام دوں گا مجبوراً میں چپ رہ گیا اور مولانا اس ہندو کے پاؤں دباتے رہے۔ [1]

۳۸۔ مولانا احمد احسن صاحب پنجابی مدرس کانپور نے "ابطال امکان کذب" میں ایک مبسوط رسالہ تحریر کر کے شائع کیا جس میں حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید" اور ان کے ہم عقیدہ حضرات کو فرقہ ضالہ مزواریہ میں (جو معتزلہ میں سے ایک گروہ ہے) داخل کر دیا اور اس پر تقریظ لکھنے والوں نے تو اکابر دین کی نسبت زبان درازی کی انتہاء کر دی۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن کو یہ رسالہ دیکھ کہ طیش تو بہت آیا لیکن علم و تقوی کا مقام بلند ملاحظہ فرمایئے گا کہ غیظ و غضب کے جذبات کو پی کر ارشاد فرمایا:

> "ان گستاخ لوگوں کو برا کہنے سے تو اکابر کا انتقام پورا نہیں لیا جا سکتا اور ان کے اکابر کی نسبت کچھ کہہ کر اگر دل ٹھنڈا کیا جائے تو وہ لوگ معذور بے قصور ہیں۔" [2]

۳۹۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مواعظ سے امت کو جو بے مثال نفع پہنچا وہ محتاج بیان نہیں۔ حضرت کے مواعظ کا فیض آج تک جاری ہے اور جن حضرات نے ان کا مطالعہ کیا ہو وہ جانتے ہیں کہ یہ مواعظ دین کی بیشتر ضروریات پر حاوی ہیں اور اصلاح و تربیت کے لئے بے نظیر تاثیر رکھتے ہیں۔

---

[1] ارواح ثلاثہ ص ۲۸۵ ۴۳۲

[2] حیات شیخ الہند" از حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب" ص ۱۸۳

ایک مرتبہ جون پور میں آپ کا ایک وعظ ہونا تھا۔ وہاں بریلوی حضرات کا خاصا مجمع تھا آپ کے پاس ایک بے ہودہ خط پہنچا جس میں دو چار باتیں کہی گئی تھیں ایک تو یہ کہ تم جولاہے ہو دوسرے یہ کہ جاہل ہو تیسرے یہ کہ کافر ہو اور چوتھے یہ کہ سنبھل کر بیان کرنا۔

حضرت تھانویؒ نے وعظ شروع کرنے سے پہلے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس قسم کا ایک خط میرے پاس آیا ہے پھر وہ خط سب کے سامنے پڑھ کر سنایا اور فرمایا کہ "یہ جو لکھا ہے کہ تم جولاہے ہو تو اگر میں جولاہا ہوں بھی تو اس میں حرج ہی کیا ہے میں یہاں کوئی رشتہ ناتے کرنے تو نہیں آیا احکام الٰہی سنانے کے لئے حاضر ہوا ہوں سو اس کو قومیت سے کیا علاقہ؟ دوسرے یہ چیز اختیاری بھی نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے جس کو جس قوم میں چاہا پیدا فرمادیا سب قومیں اللہ ہی کی بنائی ہوئی ہیں اور سب اچھی ہیں اگر اعمال و اخلاق اچھے ہوں۔ یہ تو مسئلہ کی تحقیق تھی۔ رہی واقعہ کی تحقیق سو مسئلہ کی تحقیق کے بعد واقعہ کی تحقیق کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی لیکن پھر بھی اگر کسی کو تحقیق واقعہ کا شوق ہی ہو تو میں آپ کو اپنے وطن کے عمائد کے نام اور پتے لکھوائے دیتا ہوں ان سے تحقیق کر لیجئے معلوم ہو جائے گا میں جولاہا ہوں یا کس قوم کا؟ اور اگر مجھ پر اطمینان نہ ہو تو میں مطلع کرتا ہوں کہ میں جولاہا نہیں ہوں' رہا جاہل ہونا اس کا البتہ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں جاہل بلکہ اجہل ہوں لیکن جو کچھ اپنے بزرگوں سے سنا ہے اور کتابوں میں دیکھا ہے اس کو نقل کرتا ہوں اگر کسی کو کسی بات کے غلط ہونے کا شبہ ہو اس پر عمل نہ کرے۔ اور کافر ہونے کو جو لکھا تو اس میں زیادہ قیل و قال کی حاجت نہیں میں آپ صاحبوں کے سامنے پڑھتا ہوں۔"

اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ

اگر میں نعوذ باللہ کافر تھا تو لیجئے اب نہیں رہا۔ آخر میں سنبھل کر بیان کرنے کی دھمکی دی گئی ہے اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ وعظ گوئی کوئی میرا پیشہ نہیں ہے جب کوئی بہت اصرار کرتا ہے تو جیسا کچھ مجھے بیان کرنا آتا ہے بیان کر دیتا ہوں اگر آپ صاحبان نہ چاہیں گے تو میں ہرگز بیان نہ کروں گا۔ رہا سنبھل کر بیان کرنا تو اسکے متعلق صاف صاف عرض کئے دیتا ہوں کہ میری عادت خود ہی چھیڑ چھاڑ کی نہیں ہے۔ قصداً کبھی کوئی ایسی بات نہیں کرتا جس میں کسی گروہ کی دل آزاری ہو یا فساد پیدا لیکن اگر اصول شرعیہ کی تحقیق کے ضمن میں کسی ایسے مسئلہ کے ذکر کی ضرورت ہی پیش آجاتی ہے جس کا رسوم بدعیہ سے تعلق ہے تو پھر

میں رکتا بھی نہیں اس لئے کہ یہ صریح دین میں خیانت ہے۔ سب باتیں سننے کے بعد اب بیان کے متعلق جو آپ صاحبوں کی رائے ہو اس سے مطلع کر دیجئے اگر اس وقت کوئی بات کسی کے خلاف طبع بیان کرنے لگوں تو فوراً مجھ کو روک دیا جائے میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر کوئی ادنی شخص بھی مجھے روکے گا تو میں اپنے بیان کو فوراً منقطع کردوں گا اور بیٹھ جاؤں گا۔ بہتر تو یہ ہے کہ وہی صاحب روک دیں جنہوں نے یہ خط بھیجا ہے یا اگر خود کہتے ہوئے انہیں شرم آئے یا ہمت نہ ہو تو چپکے سے کسی اور ہی کو سکھلا پڑھا دیں ان کی طرف سے وہ مجھے روک دیں۔ یہ سن کر ایک معقولی مولوی صاحب جو بدعتی خیال کے تھے اور جن کا وہاں بہت اثر تھا کڑک کر بولے "یہ خط لکھنے والا کوئی حرام زادہ ہے آپ وعظ کہئے آپ کیسے فاروقی ہیں؟" حضرت نے فرمایا:

میں ایسی جگہ کا فاروقی ہوں جہاں کے فاروقیوں کو یہاں کے لوگ جلا ہے سمجھتے ہیں۔

جب سارا مجمع خط لکھنے والے کو برا بھلا کہنے لگا خاص طور سے وہ مولوی صاحب فحش فحش گالیاں دینے لگے تو حضرت والا نے روکا کہ گالیاں نہ دیجئے مسجد کا تو احترام کیجئے۔ پھر حضرت والا کا وعظ ہوا اور بڑے زور شور کا وعظ ہوا اتفاق سے دوران وعظ میں بلا قصد کسی علمی تحقیق کے ضمن میں کچھ رسوم و بدعات کا بھی ذکر چھڑ گیا پھر تو حضرت والا نے بلا خوف لومتہ لائم خوب ہی رد کیا لوگوں کو یہ اختیار دے چکے تھے کہ وہ چاہیں تو وعظ روک دیں لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی۔

وہ معقولی مولوی صاحب شروع شروع میں تو بہت تحسین کرتے رہے اور بار بار سبحان اللہ، سبحان اللہ کے نعرے بلند کرتے رہے کیونکہ اس وقت تصوّف کے رنگ پر بیان ہو رہا تھا لیکن جب ردّ بدعات پر ہونے لگا تو پھر چپ ہو گئے مگر بیٹھے سنتے رہے۔ یہ بھی خدا کا بڑا فضل تھا کیوں کہ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ ایسے کٹر اور سخت ہیں کہ جہاں کسی واعظ نے کوئی بات خلاف طبع کہی انہوں نے وہیں ہاتھ پکڑ کر منبر سے اتار دیا لیکن اس وقت انہوں نے دم نہیں مارا چپکے بیٹھے سنتے رہے لیکن جب وعظ ختم ہوا اور مجمع رخصت ہونے کے لئے کھڑا ہو گیا تو اس وقت ان مولوی صاحب نے حضرت والا سے کہا کہ ان مسائل کے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی اس پر ایک دوسرے ذی اثر مولوی صاحب (جو خود بدعتی خیال کے تھے) بڑھے

اور جواب دینا چاہا لیکن حضرت والا نے انہیں روک دیا کہ خطاب مجھ سے ہے آپ جواب نہ دیں مجھے عرض کرنے دیں پھر حضرت والا نے ان معقولی مولوی صاحب سے فرمایا کہ آپ نے یہ بات پہلے مجھ سے نہ فرمائی ورنہ میں احتیاط کرتا' میں نے تو جو بیان کیا ضروری ہی سمجھ کر کیا مگر اب کیا ہو سکتا ہے اب تو بیان ہو چکا ہے ہاں ایک صورت اب بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ ابھی تو مجمع موجود ہے آپ پکار کر کہہ دیجئے کہ صاحبو اس بیان کی کوئی ضرورت نہ تھی پھر میں آپ کی تکذیب نہ کروں گا اور آپ ہی کی بات اخیر رہے گی۔ اس پر سب لوگ ہنس پڑے اور مولوی صاحب وہاں سے رخصت ہو گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد سب لوگ ان کو برا بھلا کہنے لگے جب بہت شور و غل ہوا تو حضرت والا نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ:

"صاحب ایک پولیسی کی وجہ سے آپ مقامی علماء کو ہرگز نہ چھوڑیں میں آج مچھلی شہر جا رہا ہوں اب آپ صاحبان یہ کریں اور میں ان صاحب کو بالخصوص خطاب کرتا ہوں کہ جنہوں نے خط بھیجا ہے وہ میرے بیان کا رد کرا دیں پھر دونوں راہیں سب کے سامنے ہوں گی جو جس کو چاہے اختیار کرے فساد کی ہرگز ضرورت نہیں۔"

پھر ان دوسرے مولوی صاحب نے جو بدعتی خیال کے ہونے کے باوجود حمایت کے لئے آگے بڑھے تھے کھڑے ہو کر فرمایا کہ:

"صاحبو آپ جانتے ہیں کہ میں مولودیہ بھی ہوں' قیامیہ بھی ہوں مگر انصاف اور حق یہ ہے کہ جو تحقیق آج مولوی صاحب نے بیان فرمائی ہے صحیح وہی ہے۔" [1]

۴۰۔ احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کے متعلقین میں سے کسی صاحب نے اہل بدعت کی تردید میں ایک رسالہ لکھا تھا اہل بدعت نے اس کا جو رد لکھا اسمیں انہیں کافر قرار دیا۔ اس عمل کے جواب میں ان صاحب نے دو شعر کہے۔

---

[1] اشرف السوانح ج ۱ ص ۶۸۔۷۲۔

مرا کافر گر گفتی غمے نیست
چراغ کذب رانبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش
دروغے راجزا باشد دروغے[1]

انہوں نے حضرت شیخ الہند کو یہ شعر سنائے تو آپ نے شعری لطافت کی تو تعریف کی لیکن ساتھ ہی ارشاد ہوا کہ تم نے ان کو لطافت کے ساتھ ہی سہی کافر تو کہہ دیا حالانکہ فتوی کی رو سے وہ کافر نہیں ہیں' اس لیے ان اشعار میں اسطرح ترمیم کرلو۔

مراکافر اگر گفتی غمے نیست
چراغ کذب رانہ بود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش
دہم شکر بجائے تلخ دوغے
اگر تو مومنی فبہا' والاّ
دروغے راجزابا شد دروغے[2]

یہ چند واقعات ہیں جو کسی خاص اہتمام اور تحقیق و جستجو کے بغیر زیر قلم گئے۔ اس مختصر مضمون میں اس قسم کے واقعات کا احاطہ مقصود نہیں' اگر کوئی بندہ خدا مزید تحقیق و جستجو اور مطالعہ کے بعد ان حضرات کے ایسے واقعات یکجا کردے تو علم و دین کی بڑی خدمت ہو لیکن مذکورہ چند واقعات اکابر دیو بند کے حسن و جمال کی ایک جھلک دکھانے کے لئے امید ہے کافی ہوں گے۔

للہ الحمد اولا و اخرا

---

[1] تم نے مجھے کافر کہا' مجھے اس کا غم نہیں کیونکہ جھوٹ کا چراغ جلا نہیں کرتا۔ میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہوں گا' کیوں کہ جھوٹ کی سزا جھوٹ ہی ہو سکتی ہے۔

[2] "تم نے مجھے کافر کہا' مجھے اس کا غم نہیں کیوں کہ جھوٹ کا چراغ جلا نہیں کرتا۔ میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہوں گا اور تلخی کا جواب شیرینی سے دوں گا۔ اگر تم واقعی مومن ہو تو خیر ورنہ جھوٹ کی سزا جھوٹ ہی ہو سکتی ہے۔"

قابلِ مطالعہ دینی فکری اور اصلاحی کتابیں

جہانِ دیدہ مفکرِ اسلام جسٹس حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی کے قلم سے بیس ملکوں کا معلومات آفریں سفرنامہ جس میں مسلمانوں کے تاریخی مراکز کے حالات قصۂ زمین برسرِ زمین تاریخ کے دلچسپ اور بصیرت افروز واقعات، مشہور اسلامی شخصیتوں کے رُوح پرور تذکرے، اپنی نوعیت کا منفرد مجموعہ ہے۔

تراشے حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی کا چالیس سالہ حاصلِ مطالعہ جو علمی، ادبی، تحقیقی امور پر دلچسپ سبق آموز واقعات اور نہایت عمدہ معلومات سے مزین ہے

روح کی بیماریاں اور ان کا علاج مولانا حکیم محمد اختر صاحب کی مشہور و معروف کتاب جسمیں بدنظری عشقِ مجازی، تکبر، غصہ، حسد جیسے تمام امراض کا مکمل علاج موجود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں دنیا کی حقیقت تالیف حکیم محمد اختر صاحب

جس میں دنیا کی بے ثباتی، بے وقعتی اور اس کے بالمقابل آخرت کی اہمیت اور اسکی قدر و قیمت کے موضوع پر اپنے انداز کی بہترین کتاب ہے۔

نزہتہ المجالس مولانا عبدالرحمن صفوی کی یہ کتاب قرآن و حدیث کی نادر تفسیر، دلچسپ قصص و حکایات، اور مفید کارآمد لطائف نایاب طبی نسخہ جات، نفع بخش اوراد و وظائف سے مزین ہے۔

نقوشِ رفتگاں مولانا محمد تقی عثمانی کے قلم سے ۶۱ باکمال افراد کی زندگیوں کا حیات بخش مجموعہ

آپ کی لائبریری کے لئے فکری اور اصلاحی کتابیں

خطبات حکیم الامت
دعوت و تبلیغ
آدابِ انسانیت
جزا و سزا
حقوق الزوجین
برکات رمضان
سُنّتِ ابراہیمؑ
دُنیا و آخرت
محاسن اسلام
رحمتِ دو عالمؐ
جہان دیدہ
فقہی مقالات ۳ جلدیں
علم الصیغہ اُردو
بڑوں کا بچپن
بیس (۲۰) بڑے اولیاء
نوادر النوادر دو جلدیں
نزہتہ المجالس
فیوض ربّانی
تقریر ترمذی حضرت تھانویؒ

مثالی خواتین
باتیں ان کی یاد رہیں گی
رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو
رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مُسکراہٹیں
صحابہ کے آنسو
صالحین کے آنسو
مسائل نکاح و احکام طلاق
تراشے
اکابر دیوبند کیا تھے
ہمارا معاشی نظام
ہمارا تعلیمی نظام
زبان کی حفاظت
دُنیا کی حقیقت
مجالس ابرار
رُوح کی بیماریاں
مبادیات حدیث
ملفوظات شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ
حجاب (پردہ کے شرعی احکام)

زم زم بک ڈپو